جلد ۸۲ | مارچ، اپریل ۱۹۹۸ء | شمارہ - ۳، ۴

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے
پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

انگریزی سے ترجمہ

ممتاز احمد باجوہ

نیا نظام عالم
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کی معروف کتاب "نیو ورلڈ آرڈر" کا ترجمہ

پیش لفظ

مصیبت کے خاتمے پر نیکی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ موجودہ جنگ کی خوفناک تباہی اور بربادی کے بعد شاید نسل انسانی کے لئے خوشی کے نئے دور کا آغاز ہو۔ اسی امید کے پیش نظر میں نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں ایک چھوٹا سا رسالہ "نیا نظام عالم" لکھا تھا۔ چند ماہ بعد عراق سے ایک تجویز آئی کہ اس رسالے کو انگریزی جاننے والوں کے استفادہ کے لئے انگریزی میں ترجمہ کیا جائے۔ اس سے مجھے موضوع پر نئے سرے سے غور کرنے کا موقع ملا۔ اور موجودہ کتاب اسی کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ خیالات جو اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں ان سے نسل انسانیت کی بہتری کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو انسانیت کی اس خدمت کا سہرا مصنف کو نہیں بلکہ ان بے لوث اور مخلص کارکنوں کی جماعت کو جاتا ہے۔ جن کی وجہ سے ان خیالات کی اشاعت ممکن ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے یہاں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام' لاہور کے متعلق چند الفاظ کا اضافہ کرنا مناسب سمجھا۔

۱۹۱۴ء میں احمدیہ تحریک اختلاف کی وجہ سے دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہ اختلاف دو اہم امور کے متعلق تھا۔ جن کا تعلق نہ صرف تحریک سے بلکہ اسلام سے بھی تھا۔ ایک یہ کہ کیا حضرت نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نبی آ سکتا ہے؟ دوسرے یہ کہ جو شخص حضرت نبی اکرمؐ پر ایمان رکھتا ہے کیا اس کو کافر کہا جا سکتا ہے۔ قادیانی گروپ جس کی قیادت قادیان کے مرزا محمود احمد صاحب کر رہے ہیں جو بانی سلسلہ کے صاحبزادے ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف بانی سلسلہ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ تمام مسلم دنیا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ دوسرا گروپ جس نے اپنا مرکز لاہور میں قائم کیا ہے اس نے ان دونوں نظریات کو بانی سلسلہ احمدیہ کی تعلیمات کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے عقائد کی بنیاد ان دو اصولوں پر رکھی ہے اول یہ کہ حضرت نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آ سکتا۔ دوسرے یہ کہ جو کوئی حضرت نبی اکرمؐ کی نبوت پر ایمان لاتا ہے اس کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان دو بنیادی اصولوں کے ساتھ لاہور کے احمدیوں نے ایک تنظیم احمدیہ انجمن اشاعت اسلام' لاہور کے نام سے قائم کی ہے۔

۱۹۱۴ء میں ۷ ہزار روپے کی آمدن سے ابتدا ہوئی۔ اور انجمن کا بجٹ تیس سالوں میں ۴ لاکھ ۳۵ ہزار روپے تک پہنچ گیا ہے۔ یہ آمدن ابتدا کے مقابلہ میں تقریباً ۶۰ گنا سے تجاوز کر چکی ہے۔ تاہم اس سے زیادہ اہم بات ان سالوں میں انجمن کی وہ خدمات ہیں جو اس نے اسلام کے لئے سرانجام دی ہیں۔ قرآن کریم کا انگریزی' جرمن' ڈچ اور اردو چار زبانوں میں اشاعت ہے۔ ان تراجم کی ۵۰ ہزار کاپیاں شائع ہو چکی ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلعم کی سیرت کا سترہ مختلف زبانوں میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ جن میں چھ یورپی زبانیں بھی شامل ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر کتب اور ٹریکٹ وغیرہ کا تیس زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کی ۱۰ ہزار کاپیاں سیرت نبوی کی پندرہ ہزار اور دیگر کتب اور رسالہ جات کی پچاس ہزار کاپیاں شائع ہو کر مفت تقسیم کی گئیں ہیں۔ مختلف ملکوں میں کئی تبلیغی مشن قائم ہوئے ہیں۔ اور

برلن (جرمنی) میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی گئی۔ ان تمام باتوں سے اہم بات یہ ہوئی کہ گزشتہ سالانہ جلسہ ۱۹۴۳ء میں دو لاکھ روپے کا ایک فنڈ قرآن کریم کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس کام کو شروع کرنے کے لئے بیس ہزار روپے مہیا کئے گئے ہیں۔ انجمن دو ہائی سکولز بھی چلا رہی ہے۔ اور اس کی جائیداد کی موجودہ مالیت ۲۰ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔

"نیا نظام عالم" کے نام سے اس کتاب میں میں نے ان تمام بیماریوں کا علاج تجویز کیا ہے جو مادیت اپنے ساتھ لائی ہے۔ اگرچہ اس میں مختصر بحث کی گئی ہے۔ تاہم اس میں اصل ماخذوں سے بہت حوالے دیئے گئے ہیں۔ ایسے حوالے جن میں کوئی نام درج نہیں ہے قرآن کریم کے ہیں۔ پہلا ہندسہ سورۃ اور دوسرا ہندسہ آیت کے نمبر کو ظاہر کرتا ہے۔ حدیثوں کی کتب کے نام کے ساتھ دو ہندسے کتاب کی جلد اور باب کے دیئے گئے ہیں۔ اسلام سے متعلق موجودہ اور دیگر موضوعات پر مفصل بحث اور معلومات کے لئے قارئین میری کتاب "دین اسلام" کا مطالعہ کریں۔ جو اسلام کے اصول' قوانین' اور قواعد و ضوابط پر مستند اور مبسوط کتاب ہے۔

اس مختصر تمہید کے ختم کرنے سے پہلے مجھے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے تمام ممبران کا عام طور پر شکریہ ادا کرنا ہے جن کی مدد سے ان مشکل حالات میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ اور خاص طور پر ان معزز افراد کا جنہوں نے نہایت فراخدلی سے عطیات دیئے اور عطیات اکٹھا کرنے میں مدد دی تاکہ کتاب کی وسیع پیمانے پر مفت تقسیم کی جاسکے۔

(۱) ایم عبداللطیف اسمٰعیل صاحب (بغداد) (۲) خان صاحب میاں عبدالقادر پٹیل صاحب' بھونڈی (۳) خان صاحب حاجی امیر صاحب رئیس منور (۴) سید تصدق حسین قادری صاحب' بغداد (۵) نصیر احمد فاروقی صاحب' بمبئی (۶) مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب' لائل پور (۷) الحاج شیخ میاں محمد صاحب' لائل پور (۸) الحاج شیخ محمد اسماعیل مولا بخش صاحب' لائل پور (۹) شیخ نیاز احمد صاحب' وزیر آباد۔

(محمد علی' صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

باب—۱ : نئے نظام کی بنیاد

انسانیت کو آج سب سے بڑی بربادی اور خوفناک بحران کا سامنا ہے جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کی تباہیاں ابھی موجودہ نسل کے ذہنوں میں تازہ تھیں کہ بیس سال کے قلیل عرصے کے اندر ہی دوسری جنگ عظیم کی شکل میں زمین کے ایک سرے سے دوسرے تک ہم نے فی الواقعہ دوزخ کو بھڑکتے ہوئے دیکھا۔ اب جب کہ موجودہ جنگ کی آگ کے ختم ہونے کے آثار ابھی نظر نہیں آتے۔ تیسری عالمی جنگ کی باتیں سننے میں آرہی ہیں۔ کون جانتا ہے کہ دنیا میں چوتھی یا پانچویں آنے والی مصیبت پہلے کی نسبت کتنی زیادہ خوفناک ہو۔

کیا یہ مصائب جن سے موجودہ انسانیت گزر رہی ہے کسی بہتر نظام عالم کے پیدا ہونے کا موجب ہوں گے۔ ایسی امید ہر اس شخص کے دل میں جاگزین ہے جو خدائے رحیم و خبیر پر ایمان رکھتا ہے لیکن اس شخص کو بھی جو خدا کو نہیں مانتا ان خوفناک تباہیوں کے بعد برپا ہونے والے عظیم انقلاب کے آثار نظر آرہے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا ہو بھی رہا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے آئندہ صفحات میں دکھلاؤں گا کہ خدا تعالٰی کے پروگرام کے مطابق انسانیت بتدریج اپنی تکمیل کی راہ پر گامزن ہو چکی ہے۔

نئے نظام عالم کی ضرورت کی پکار تمام دنیا سے اٹھ رہی ہے خاص طور پر مغربی دنیا میں جو اب تک اس زعم میں مبتلا تھی کہ اپنی بے مثال مادی ترقی اور کائنات پر ناقابل تصور قدرت حاصل کرنے کی وجہ سے وہ اپنے حد کمال تک پہنچ چکی ہے۔ اس خیال کو پچھلے تیس سال کے واقعات نے ایک شدید جھٹکا دیا ہے۔ مادی ترقی جس کو نسل انسانی کے لئے خوشی میں اضافے کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بجائے

یہ ناقابل بیان مصیبت اور وسیع بربادی کا موجب ہوئی ہے۔ دنیا نہایت ابتری کی حالت میں ہے۔ ہر کمزور قوم اپنے سے زیادہ طاقتور اور زیادہ ترقی یافتہ ہمسائے کے ظلم کا شکار ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں صحیح اور غلط کا احساس قومی تفاخر کے جذبات کے سامنے ختم ہوچکا ہے۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہی ذہنیت کارفرما ہے۔ طاقت آج بھی اسی طرح صحیح ہے جس طرح دور جہالت میں صحیح تھی۔ عظیم مادی ترقی کی وجہ سے دنیا نے اپنے کمال کی انتہا تک پہنچنے کی بجائے اپنے آپ کو ذلت کے انتہائی گہرے گڑھے میں گرا لیا ہے اور پھر اسی قتل و غارت اور تباہی کی حالت میں پہنچ چکی ہے جہاں سے اس نے ہزاروں سال پہلے سفر شروع کیا تھا۔

تہذیب کی بلندی پر پہنچنے کے باوجود معاشرے میں خودغرضی' دوسروں کی حق تلفی' اخلاقی ذمہ داریوں سے لاپرواہی' کمزور پر ظلم و استبداد اتنا عام ہوگیا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے جب معاشرہ وحشی حالت میں تھا۔ ان سماجی بیماریوں نے صرف ایک نیا لباس زیب تن کر لیا ہے۔ خودغرضی کی بیماری کا اثر جب تک دو یا چند افراد تک محدود ہو تو اس کی مذمت کی جاتی ہے۔ لیکن جب یہ طاعون کی شکل اختیار کرجائے اور پوری قوم اس میں مبتلا ہو جائے تو اس کی قومی تشخص کے طور پر تعریف کی جاتی ہے۔ افراد بظاہر اپنے علاقائی حدود میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں لیکن پورا ملک غیر محفوظ ہوگیا ہے کیونکہ کسی وقت بھی ایک دوسری قوم جو جنگی سامان میں زیادہ ترقی یافتہ ہے اس پر چڑھ دوڑ سکتی ہے۔ ایک ریاست کے اندر تو ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن کسی قوم کے دوسری قوم پر ظلم و ستم یا زیادتی کو نہیں روکا جاتا۔ ایک خاص سماجی نظام افراد میں لالچ اور ہوس کو روکنے میں تو کامیاب ہوسکتا ہے۔ لیکن کسی قوم کے لالچ اور ہوس کو سوائے کسی زیادہ لالچی اور طاقتور قوم کے کوئی نہیں روک سکتا۔ برائی اگر قومیت کا لبادہ اوڑھ لے تو نیکی بن جاتی ہے۔ انسانیت نسلوں اور ملکوں میں تقسیم ہو چکی ہے جو ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔

ایک ملک ترقی کی دوڑ اور زیادہ سے زیادہ مادی آسائشوں اور دنیاوی شان و شوکت کے حصول میں دوسرے کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اس میں کسی اخلاقی ضابطے کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ مغرب کی مادی تہذیب جس نے زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد دولت کا حصول قرار دیا ہے۔ موجودہ افراتفری کی پوری ذمہ دار ہے۔

ظاہر ہے کہ مادیت انسان میں ہوس کی آگ بھڑکاتی ہے۔ اگر انسانیت کو متحد رکھنے کے لئے کوئی طاقت نہ ہو تو اس کا نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اس نے گزشتہ دو عالمی جنگوں میں کیا ہے۔ مادی لحاظ سے ترقی یافتہ مغربی دنیا ایک بھونچال کے مرکز کی صورت اختیار کرچکی ہے جو کہ تمام دنیا کو ہلا رہا ہے۔ وہاں کوئی اخلاقی طاقت موجود نہیں۔ عیسائیت جو صدیوں تک یہ قوت مہیا کرتی رہی ہے مادیت کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سامنے پسپا ہو رہی ہے۔ نتیجتاً یہ بالکل تباہ ہو چکی ہے۔ روس میں اس کا اثر اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ اس میں بڑھتے ہوئے الحاد کے سیلاب کے سامنے وہ ٹھہر نہیں سکتی۔ جرمنی میں نازی ازم بھی عیسائیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ یورپ کے دیگر ممالک میں اب یہ صرف نام کی زندہ ہے۔ اس میں اب کوئی حقیقی قوت نہیں رہی۔ مذہب کو انسان کا ذاتی معاملہ قرار دیا جاچکا ہے۔ لوگ اس کے متعلق کھلے بندوں باتیں کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں۔ خدا کا نام اب صرف لبوں پر ہے۔ یا پھر سیاستدان اس کی خدمت کرنے کی بجائے اس کی خدمات کو قومی آفت کے موقع پر یا جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ خدا کی زیادہ ضرورت ذہنی اطمینان کی بجائے مزید مادی فوائد اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے پڑتی ہے اور اسے مادیت کا غلام بنا دیا گیا ہے۔ نہ کہ ایک روحانی طاقت جو مادیت کی برائی کے رجحانات کو روک سکے جس کی وجہ سے دنیا تباہی کی طرف جارہی ہے۔ یورپ نے عملی طور پر خدا کو اپنے ذہنوں سے نکال دیا ہے۔ اور خدا نے بھی سرزمین یورپ سے امن اور سکون کو خیرباد کہہ دیا ہے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ یورپ اب بھی دنیا کو عیسائیت کے حلقہ میں لانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس مقصد کے لئے ایشیا' افریقہ اور دنیا کے دوسرے حصوں میں تبلیغی مشن بھیجنے کے لئے بڑی رقوم خرچ کر رہا ہے کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یورپ عیسائیت کی روحانی قوت میں یقین رکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ اگر یورپ کا عیسائیت کی روحانی طاقت پر ایمان ہوتا تو وہ پہلے روس کو بچانے کی کوشش کرتا۔ یورپ صرف عیسائیت کے مادی اقدار پر ایمان رکھتا ہے۔ اس لئے عیسائیت کا پیغام صرف مادی لحاظ سے پسماندہ مشرقی اقوام' ہندوستان کے اچھوتوں' افریقہ کے جنگلی نیگرو قبائل اور پس ماندہ چینی لوگوں کے لئے مفید سمجھا گیا ہے۔ پس یہ مادیت ہی ہے جو مشرق میں عیسائیت کا لبادہ اوڑھے نظر آتی ہے۔ یہ کوئی عقل مندی نہیں کہ مشرق میں اس مذہب کی تبلیغ کی جائے جو خود یورپ میں بالکل ناکام ہو چکا ہے۔ عیسائیت یورپ کو نہیں بچا سکی جو اس وقت مادیت کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے اور دوزخ کی آگ کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک جل رہا ہے۔ یہ ایک باطل خیال ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ عیسائیت ایشیا کو جنت میں تبدیل کردے گی۔ ناکامی عیسائیت کی پیشانی پر نوشتہ تقدیر بن چکی ہے۔ اس کی شکست خوردہ طاقتیں مشرق میں معاشی ترقی کے نام پر جو روحانیت سے یکسر خالی ہے اپنی قسمت آزما رہی ہیں۔

اگر عیسائیت کے پاس مادیت کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد کچھ روحانی طاقت رہ گئی ہے تو کیوں وہ بے دین روس کو عیسائیت میں واپس لانے کی کوشش نہیں کرتی جس کی بے دینی کا زہر تمام دنیا پر اثر انداز ہو رہا ہے چہ جائیکہ مشرقی ممالک کی طرف تبلیغی مشن بھیجے جہاں اب بھی خدا پر ایمان یورپ اور امریکہ کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہے۔ یورپ روس کے کیمونزم کے خلاف اپنا دفاع کرتا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ اس کے مادی فوائد پر وہ اثر انداز نہ ہو اور وہ یورپ کے سرمایہ داری کے نظام کے لئے خطرہ ہے جو یورپی استعماریت کا بنیادی پتھر ہے۔ اگر بالشوک یورپ کے پرچارک صرف دہریت کی تبلیغ کرتے اور سرمایہ داری اور استعماریت کو نہ چھیڑتے تو وہ اس کے خلاف ہرگز انگلی نہ اٹھاتے۔

عیسائیت مادیت کی لہروں کے خلاف عوام کے دلوں میں ایمان کی روشنی کو قائم رکھنے میں دو وجوہات کی بنا پر ناکام رہی ہے۔ پہلی وجہ خود عیسائیت ہے۔ جو محض حضرت عیسیٰؑ کا دین نہیں بلکہ مذہب کی وہ تصویر ہے جو چرچ کے نمائندوں نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ اور جس کی بنیاد ایسے عقیدوں پر ہے جو انسانی عقل کے خلاف ہے۔ جب تک یورپ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا رہا وہ چرچ کے اس تحکمانہ اعلان پر مطمئن رہا۔ "ایمان لاؤ اور سوال نہ کرو"۔ زندگی کے تمام شعبوں میں سائنسی ترقی نے یہ واضح کردیا کہ اس مذہب کا اثر کم ہوتا جائے گا جس کے بنیادی عقائد عقلی دلائل کو رد کردے۔ عیسائیت کا پہلا مقابلہ سائنس سے ہوا۔ سائنس کی ہر ایجاد کو چرچ نے کفر گردانا۔ کیونکہ سائنس کی ترقی کے بالمقابل چرچ کی روح علم سے زیادہ جہالت سے مطابقت رکھتی تھی۔ سائنس کی ترقی عیسائیت کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ عیسائیت سے ہٹ کر ہوئی اور یورپ میں سائنسی تحقیقات کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ چرچ نے اپنا پورا زور لگایا کہ کسی طرح سائنسی انکشافات کو روکا جائے لیکن اسے اس میں بری طرح شکست ہوئی۔ پھر وہ وقت آگیا جب کہ عیسائیت کے تمام سابقہ روایات کے خلاف چرچ کے تمام عقائد کو بھی عقل اور دلیل کے معیار پر پرکھا جانے لگا۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰؑ کی خدائی۔ ان کا صلیب پر چڑھایا جانا۔ گناہوں کا کفارہ۔ مقدس عشائے ربانی وغیرہ کو عقلی دلائل پر پرکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ان تمام عقائد کی بنیاد قدیم بت پرست قوموں کی توہم پرستی پر ہے۔ پورے یورپ میں صرف عیسائی مذہب تھا اور حضرت عیسیٰؑ (یسوع مسیح) ہی صرف ایک خدا تھے اور اگر یہ ترقی یافتہ ذہن کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے تو ایسے مذہب اور خدا دونوں کا خاتمہ یقینی تھا۔

عیسائیت کی ناکامی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کی بنیاد صرف ایک عقیدے پر رکھی گئی تھی جس کا تعلق صرف اخروی زندگی کی نجات سے تھا۔ اس کا تعلق اس زندگی کے معاملات یا نظام سے نہ تھا۔ اس کی تمام تر دلچسپی دینوی معاملات سے تھی۔ لیکن سائنس کی ترقی کی وجہ سے زندگی کے متعلق ایک عام وسیع نقطہ نگاہ نے جنم لیا جو عیسائیت کی روح کے خلاف تھا۔ اس زندگی کے دو اہم مسائل دولت اور جنسی معاملات جیسا کہ خود عیسائی نسل در نسل تسلیم کرتے آئے تھے اس بارے میں عیسائیت ترقی یافتہ ذہن کو مطمئن نہ کرسکی۔ تہذیب کی ترقی کی وجہ سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے عیسائیت نے ان کا کوئی حل پیش نہیں کیا۔ بلکہ اس نے ان معاملات میں اصلاحات کی مخالفت کی۔ اس لئے لوگوں کے ذہن اس کی طرف سے بددل ہو گئے۔ مذہب کی گرفت لوگوں کے اذہان پر سے کمزور ہوتی گئی اور مادیت کی اس میدان میں بالادستی مضبوط ہوتی گئی۔

وقتی طور پر اس طرح سے مذہب کی متحد کرنے والی قوت یورپ سے غائب ہوگئی۔ اوریک طرفہ تہذیبی ترقی اور مادیت کی بلاروک ٹوک ترقی نے خود غرضی، حسد، نفرت اور سیاسی بالادستی کی قوتوں کو کھلی چھٹی دے دی۔ جس کا نتیجہ انسانیت کی تباہی اور بربادی نکلا۔

اب نئے نظام عالم کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ یہ روحانی طاقت کی بنیاد پر قائم ہو جو صرف مذہب ہی مہیا کرسکتا ہے۔ اگر بنیادیں گہری اور قابل اعتماد نہ ہوں تو نئے نظام عالم کا ڈھانچہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا۔ بیس سال پہلے ایسا ہی ہوا تھا۔ پہلی جنگ عظیم چار سال تک گرجتی رہی۔ جس نے ہنستے بستے شہروں اور قصبوں کو برباد اور ویران کردیا۔ جس نے زرخیز زمینوں کو بنجر بنا دیا۔ ہزاروں صحت مند نوجوانوں کو قتل کیا اور اس سے زیادہ تعداد لوگوں کی زخمی اور اپاہج ہوئی۔ لاکھوں گھروں کو خوشیوں سے محروم کردیا گیا اور انسانوں کی بہت بڑی تعداد کو مصائب اور تکالیف میں مبتلا کردیا گیا۔ جنگ کے خاتمے نے ان قربانیوں کا جواز ثابت کیا۔ جارح کو شکست ہوئی۔ جمہوریت کے علمبرداروں کو مکمل فتح ہوئی۔ فاتح اقوام کے بہترین اذہان کو جمع کیا گیا اور ایک بہت بڑی عالمگیر کانفرنس منعقد ہوئی تاکہ نئے نظام عالم کی بنیاد رکھی جائے۔ یورپ کا نیا نقشہ بنایا گیا۔ شکست خوردہ جارح ملکوں کو اتنے ٹکڑوں میں تقسیم کردیا گیا کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت ہی نہ کرسکیں۔ لیگ آف نیشنز تشکیل دی گئی تاکہ اس نظام کو اخلاقی اساس مہیا کی جاسکے۔ یہ پہلا عالمی نظام تھا۔

وہ نظام کہاں ہے؟ وہ اپنی پیدائش کے صرف دس سال بعد ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اگلے دس سالوں میں دنیا ایک ایسی جنگ میں گرفتار ہوگئی جو پہلے سے بھی زیادہ خوفناک تھی۔ انسانیت نے جو سخت مشقت کی تھی دھواں بن کر اڑ گئی۔ کیوں؟ کیونکہ اس عالمی نظام کی بنیاد اخلاقیات پر نہ تھی۔ کانفرنس میں جو معتبر لوگ اکٹھے ہوئے تھے انہوں نے سمجھا کہ ایک قوم کا دوسری قوم کے ذریعہ ملیامیٹ کردینا ہی مستقبل میں جارحیت کا علاج ہے۔ انہوں نے انسانیت کی اصل بیماری پر غور نہیں کیا۔ ایسا نہیں تھا۔ اور نہ ایسا کبھی ہوگا۔ انہوں نے لڑنے والوں کے دلوں میں نفرت کو مٹانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ انہوں نے فاتح اور مفتوح کے درمیان تبدیلی قلب لانے کی طرف توجہ نہیں کی۔ انہیں اس بات کا احساس ہی نہ ہوا کہ امن تجاویز میں ہوس کے جذبے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے جو اس ساری تباہی کا موجب بنا۔ انہوں نے ہربات پر غور کیا لیکن انسانیت کو ایک قوم کی صورت میں متحد کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور یہ کہ کس طرح نئے نظام عالم کی بنیاد اخلاقی اقدار پر رکھی جائیں۔ لیگ آف نیشنز کی اخلاقی مدد محض ڈھونگ ثابت ہوئی۔ اقبال نے اس کو صحیح طور پر چوروں کی لیگ کہا تھا۔ چونکہ ان میں سے ہرایک کی دلی خواہش یہی تھی کہ وہ کس طرح اپنی قوم کے لئے زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل کرسکتا ہے اور کسی کے دل میں کوئی بھی ایسا نیک جذبہ نہ تھا کہ کیسے مختلف قوموں کو ایک انسانیت کے رشتے میں متحد کیا جائے۔

اب ہم دوسری جنگ عظیم سے گزر رہے ہیں اور جارح ملکوں کی تباہی دور نہیں۔ ہر قسم کے سوالات پر بحث و تمحیص ہو رہی ہے کہ دوسرا نظام عالم کیسا ہونا چاہئے لیکن ایک سوال جس کا سرے سے ذکر ہی نہیں یہ ہے کہ کس طرح تمام قوموں کو ایک انسانیت کے رشتے میں جوڑا جائے۔

اگر اس سوال پر سنجیدگی سے غور نہ کیا گیا تو جنگ کے دیوتا کی قربان گاہ پر یہ ناقابل بیان انسانی غم و اندوہ اور تہذیب کی تباہی کی شکل میں پیش کی جانے والی قربانیاں رائیگاں جائے گی اور دنیا کے عالمی نظام نمبر۲ کا وہی حشر ہوگا جو اس سے پہلے عالمی نظام کا ہوا تھا۔ یہ صرف ایک اور انتہائی خوفناک بربادی کی راہ ہموار کرے گا۔ مادیت پرست لوگوں کی کوئی کانفرنس' لالچی ملکوں کی کوئی لیگ یورپ کی نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ مادیت کے ہزاروں سوالوں کا جواب امن قائم نہیں کرسکتا۔ جب تک مختلف قوموں کو "ایک انسانیت" کی لڑی میں نہ پرویا جائے اور لالچی قوموں کے ذہن میں تبدیلی لانے کے طریق پر سنجیدگی سے غور نہ کیا جائے۔ وہ طریق جس پر سیاستدان چل رہے ہیں۔ وہ خدا کی حکومت قائم کرنے کا راستہ نہیں ہے۔ امن تبھی زمین پر قائم ہوسکتا ہے۔ جب زمین پر خدا کی بادشاہت کا قیام ہو۔ اگر دنیا میں عالمی نظام نمبر۲ اسی مادی بنیاد پر قائم ہوتا ہے کہ کیسے مال غنیمت کو تقسیم کیا جائے تو یہ یقیناً تیسری جنگ عظیم کی طرف لے جائے گا جس طرح پہلا عالمی نظام دوسری جنگ عظیم کی طرف لے گیا تھا۔

یہ انسانیت کی بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ مذہب جو کسی بھی عالمی نظام کے لئے اخلاقی بنیاد مہیا کرسکتا ہے۔ اس کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔ اور اسے اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا جارہا ہے اور اسے زہر گردانا جارہا ہے۔ جو اس کی بیماریوں کے لئے اکسیر ثابت ہوسکتا ہے۔ مادی طور پر ترقی یافتہ قوموں میں مذہب سے نفرت ایک فیشن بن گیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے جس کو نظرانداز کیا جارہا ہے کہ مذہب موجودہ انسانی ترقی کی سب سے بڑی قوت رہا ہے بلکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی تہذیب جو آج ہمارے سامنے ہے اس کی بنیاد بھی مذہب ہے۔ مذہب کے ذریعہ یہ ممکن ہوا کہ اس نے ایسی تہذیبی حالت پیدا کی جس نے انسانیت کو تباہی سے بچالیا۔ تمام قوموں کی گزشتہ تہذیب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو نظر آئے گا کہ جب کبھی وہ تباہی کے دہانے پر پہنچی تو ایک نئی مذہبی تحریک نے جنم لیا اور اس کو مکمل تباہی سے بچالیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ کوئی تہذیب بھی جو اپنی قوت کو برقرار رکھنے کا دعویٰ کرتی ہے وہ اخلاقی بنیاد پر ہی قائم رہ سکتی ہے۔ اور یہ کہ حقیقی اور بلند اخلاق صرف خدا پر ایمان سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ مختلف انسانی عناصر میں اتحاد اور یگانگت جس کے بغیر انسانی تہذیب کا ایک دن بھی قائم رہنا ممکن نہیں مذہب کی ہی متحد رکھنے والی قوت کے ذریعہ بہترین طریق پر ممکن ہو سکتا ہے۔

تبصرہ: قادیانی مسئلہ اور لاہوری گروپ کی حیثیت (۱۱)

ڈاکٹر ایم اے غازی صاحب کی نظر میں جماعت احمدیہ لاہور کی حیثیت —۱

بشارت احمد بقا

[QADIANI PROBLEM AND POSITION OF LAHORE GROUP BY DR. MEHMOOD A. GHAZI PUBLISHED BY ISLAMIC BOOK FOUNDATION, FAISAL MASJID, P.O. BOX 1453, ISLAMABAD.

ڈاکٹر غازی صاحب کی اس کتاب کا جواب محترم بشارت احمد بقا صاحب نے جنوری ۱۹۹۵ء سے قسط وار "پیغام صلح" میں لکھنا شروع کیا تھا۔ اب تک اس کی ۱۰ اقساط شائع ہو چکی ہیں۔ چونکہ یہ رسالہ بوجوہ امریکہ سے شائع ہوتا ہے۔ بعض اوقات ڈاک کے غیر تسلی بخش نظام کی وجہ سے اس کے شمارے باقاعدگی سے احباب تک نہیں پہنچ پاتے۔ اس لئے ہم ذیل میں شائع شدہ اقساط کی تفصیل دے رہے ہیں۔ تاکہ اگر کسی دوست کو کوئی قسط نہ ملی ہو تو وہ ہم سے اس کی فوٹو کاپی منگوا سکتے ہیں۔

قسط نمبر۱: جنوری۔ فروری ۱۹۹۵ء 'ص ص ۲۰ تا ۲۵ — نمبر۲: مارچ۔ اپریل ۱۹۹۵ء 'ص ص ۲۴ تا ۳۲ — نمبر۳: مئی۔ جون ۱۹۹۵ء 'ص ص ۱۶ تا ۲۶ — نمبر۴: جولائی۔ اگست ۱۹۹۵ء 'ص ص ۲۰ تا ۲۸ — نمبر۵: ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء 'ص ص ۱۹ تا ۲۴ — نمبر۶: نومبر۔ دسمبر ۱۹۹۵ء 'ص ص ۱۸ تا ۲۴ — نمبر ۷: جنوری۔ فروری ۱۹۹۶ء 'ص ص ۱۷ تا ۲۲ — نمبر۸: مارچ۔ اپریل ۱۹۹۶ء 'ص ص ۱۸ تا ۲۲ — نمبر۹: مئی۔ جون ۱۹۹۶ء 'ص ص ۲۰ تا ۲۵ — نمبر۱۰: جولائی۔ اگست ۱۹۹۶ء 'ص ص ۲۰ تا ۲۳۔

کتاب کے آخری ۳۷ صفحات خاص طور پر لاہور جماعت کے متعلق ہیں۔ محترم بشارت احمد بقا صاحب نے اس کا مکمل جواب لکھ دیا ہے۔ لیکن شمارے کے محدود صفحات کی وجہ سے ہم اس کو دو اقساط میں شائع کریں گے۔ پہلی قسط اس شمارے میں اور دوسری قسط مئی۔ جون کے شمارے میں انشاء اللہ شائع ہو گی۔ اس کتاب میں اٹھائے گئے کئی اور اعتراضات ابھی باقی ہیں جن کے جواب بھی محترم بقا صاحب نے لکھ دیئے ہیں جو آئندہ شماروں میں گنجائش کے مطابق شائع کئے جائیں گے۔ ایڈیٹر]

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی زیر نظر کتاب کے آخری ۳۷ صفحات جماعت احمدیہ لاہور جسے وہ لاہوری گروپ کے نام سے پکارتے ہیں کی حیثیت بیان کرنے کے لئے مختص کئے ہیں۔ اور اس جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کی وجوہات بیان کرنے میں پورا زور قلم صرف کیا ہے اور اپنے قارئین کو طرح طرح کے مغالطوں میں خوب الجھایا ہے۔ مگر اپنے سارے مضمون میں کسی مسلمہ اصول کی ایک بات بھی بیان نہیں کی۔ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ غازی صاحب نے نہ تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تصنیفات کا کبھی مطالعہ کیا ہے اور نہ ہی اکابر جماعت احمدیہ لاہور کی تصنیفات اور تحریرات پر کبھی غور و خوض کیا ہے۔ معاندین سلسلہ کے پیدا کردہ معاندانہ لٹریچر پر انہوں نے تمامتر انحصار کیا ہے۔ اور بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ پھر ہمارے قادیانی کرمفرماؤں نے بھی ریویو آف ریلیجز سے چند تحریریں نکال کر انہیں مہیا کر دیں کہ یہ دیکھ لیجئے مولانا محمد علی ۱۹۱۴ء سے پہلے حضرت مرزا صاحب کو نبی اور رسول مانتے بھی تھے اور پیش بھی کرتے تھے۔ مگر بعد میں انکار کر دیا اور مجدد کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا۔ غازی صاحب نے ان تحریرات کو مفید مطلب جان کر اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جن دنوں سید ابوالحسن ندوی اپنی کتاب "قادیانیت" لکھ رہے تھے۔ تو انہوں نے سلسلہ احمدیہ کے متعلق بعض ضروری معلومات حاصل کرنے کی غرض سے مولانا عبد المنان عمر خلف حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ سے ملاقات کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی باتیں جو وہ لکھ رہے تھے یا لکھنا چاہتے تھے انہیں حذف کر دیا۔ اسی طرح مشہور اہل حدیث عالم دین احسان الٰہی ظہیر نے جب بہائیت پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ تو سیدھے مولانا عبد المنان صاحب عمر کے در دولت پر حاضر ہوئے اور گفتگو کا آغاز ان الفاظ میں کیا۔ کہ آج میں ایک صاحب علم کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ بات صرف یہ تھی کہ مولانا صاحب انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بہائیت پر ایک بلند پایہ مضمون لکھ چکے

تھے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ جب محترم غازی صاحب جماعت احمدیہ لاہور کے مسلک پر لکھنے کے لئے بیٹھے تھے۔ تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اگر آپ اپنے اندر کچھ وسعت قلبی پیدا کر کے اس جماعت سے رابطہ کرتے اور اپنے مسلک کی جو تشریح وہ کرتی ہے۔ اس پر بھی غور و فکر کر لیتے۔ اس طریق کار سے ان کی بہت ساری غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا لکھنے کے لئے ان کے پاس باقی صرف وہ کچھ رہ جاتا۔ جس کا تسلی بخش جواب اس جماعت کے علماء سے شاید نہ بن پڑتا۔ مگر جو طریق انہوں نے اختیار کیا ہے اس سے احقاق حق کی بجائے کتمان حق ضرور ہوا ہے۔ اور جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ اس خفت کو مٹانے کے لئے ہے جو اس جماعت کے ایک عالم دین حضرت حافظ شیر محمد خوشابی مرحوم و مغفور کے ہاتھوں انہیں جنوبی افریقہ کی ایک عدالت عظمیٰ میں اٹھانی پڑی تھی۔ اسی عدالت میں پاکستانی علماء کے وفد کی موجودگی میں ہمارے اس مرد مجاہد نے کہا تھا کہ ساری دنیا کے مسلمان صرف زبانی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین مانتے ہیں۔ مگر عملاً ہرگز نہیں مانتے کیونکہ وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ کی آمد ثانی کے منتظر بیٹھے ہیں۔ اسی طرح قادیانی حضرات بھی آنحضرت صلعم کو خاتم النبین مان کر آپ کے بعد مسیح محمدی کو نبی اللہ تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر دنیا میں صرف جماعت احمدیہ لاہور ہی واحد جماعت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظاً اور معناً خاتم النبین مانتی ہے اور کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کی قائل نہیں ہے۔ اس عدالت میں نہ ایم اے غازی صاحب سے کوئی جواب بن پڑا اور نہ ہی پاکستانی وفد کے کسی دوسرے ممبر سے۔ سب کے سب اپنا سامنہ لے کے چپ سادھے بیٹھے رہے۔ مگر جب غازی صاحب واپس گھر پہنچے تو یہ کتاب لکھ ڈالی اور سارا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ جماعت احمدیہ لاہور بھی درحقیقت حضرت مرزا صاحب کو اسی طرح کا نبی مانتی ہے جس طرح کا قادیانی جماعت مانتی ہے۔ مگر بالعموم وہ یہ کہتی رہتی ہے کہ وہ ان کو حقیقی معنوں کی رو سے نبی نہیں مانتی بلکہ انہیں ایک مجدد قرار دیتی ہے۔ تاہم جماعت کے اس مسلک کے باوجود بھی غازی صاحب فرماتے ہیں۔

"ان کی اس حیثیت کو اگر درست تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی یہ ان کو غیر مسلم قرار دیئے جانے سے نہیں بچا سکتی کیونکہ بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت ہو چکا ہے کہ مرزا نے خود کو مدعی نبوت قرار دیا تھا۔ اور اس کے کچھ اعتقادات خلاف اسلام تھے۔ وہ خارج از اسلام قرار پا گیا ہے۔ اس لئے وہ تمام لوگ جو اس کو ہر لحاظ سے صادق مانتے ہیں اسی حلقہ میں داخل سمجھے جائیں گے قطع نظر اس سوال کے کہ وہ اسے نبی مانتے ہیں یا مجدد یا دینی راہنما۔ لہٰذا لاہوری گروپ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

قربان جاؤں میں اپنے پروردگار مولا کریم کے کیسی مشابہت تامہ پیدا کی ہے مسیح محمدی کی مسیح موسوی سے اور ان علماء کی علماء یہود سے۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے پیروکار بھی دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ اکثریتی حصہ تثلیث پرست تھا اور اقلیتی حصہ موحد تھا۔ اکثریتی حصہ حضرت مسیح کو تین خداؤں میں ایک خدا قرار دیتا تھا اور اب بھی دیتا ہے اور اقلیتی حصہ آپ کو صرف نبی اور رسول اور خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک تسلیم کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے۔ اسی طرح جناب مسیح ناصری دعوی الوہیت سے ہمیشہ انکار کرتے اور اپنے آپ کو محض نبی اور رسول کے طور پر پیش کرتے تھے۔ مگر علماء یہود مسلسل یہی رٹ لگاتے رہے کہ یہ شخص اپنے آپ کو خدا کہتا ہے نعوذ باللہ جھوٹا اور فریبی ہے اور انہوں نے فرقہ موحدین کو بھی نہ بخشا۔ اور ان کے کافر ہونے کی یہی دلیل دی تھی کہ یہ لوگ بھی جھوٹے دعویدار الوہیت کو سچا نبی اور رسول قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا جو فتوی مسیح کے لئے ہے وہی فتوی ان لوگوں کے لئے بھی ہے۔ نیرنگی زمانہ دیکھئے کہ علماء یہود کے نقش قدم پر چلتے ہوئے غازی صاحب اور ان جیسے سینکڑوں علماء نے بھی وہی فتوی لاہوری گروپ پر بھی چسپاں کر دیا ہے اور نیشنل اسمبلی کی آئینی ترمیم اور جنرل ضیاء الحق کے آرڈی نینس پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ مگر غازی صاحب کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ ہم احمدی جو جماعت لاہور سے وابستہ ہیں۔ علماء مخالف کے اس کردار کو اپنے امام ربانی کی سچائی کی روشن دلیل یقین کرتے ہیں۔ غازی صاحب اور ان جیسے تمام مکفر علماء سے جس قدر اسلام کو نقصان عظیم پہنچا ہے۔ اس کی تلافی صدیوں میں ممکن نظر نہیں آتی مگر جو فیض اسلام کو تحریک احمدیت سے پہنچا ہے اس کا برملا اعتراف ساری مغربی دنیا کر رہی ہے۔ اس تحریک نے یورپ' افریقہ' امریکہ اور دور دراز کے جزائر میں اسلام کے چراغ روشن کئے ہیں۔ اور متلاشیان حق کو کفر و الحاد کے اندھیروں سے نکال کر نور حق دکھایا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر غازی صاحب مشہور انگریز نو مسلم محمد مارماڈیوک پکھتال مرحوم و مغفور کی مندرجہ ذیل رائے کو تعصب اور عناد سے خالی الذہن ہو کر پڑھ لیں۔

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب (دی ریلیجن آف اسلام۔ ناقل) ان کی

سب سے اچھی تصنیف ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔ (رسالہ اسلامک کلچر' حیدر آباد دکن' اکتوبر ۱۹۳۶ء)

یہ رائے ایک مستند عالم دین اور مترجم انگریزی ترجمۃ القرآن کی ہے۔ جو حضرت مولانا محمد علی کے دینی علم اور فہم و فراست سے اسقدر متاثر تھا کہ جب اس کا ترجمۃ القرآن شائع ہوا تو مشہو پادری ڈاکٹر زویمر نے اپنے رسالہ "مسلم ورلڈ" میں لکھا۔ کہ یہ ترجمہ تو مولانا محمد علی آف لاہور کے ترجمۃ القرآن کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن ہے۔ اس رائے کے ساتھ لگے ہاتھوں اس رائے کی بھی ایک جھلکی دیکھ لیجئے جو علامہ علاؤ الدین صاحب صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی اور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ایک سالانہ جلسہ کی صدارت کرتے وقت اپنے خطبہ صدارت میں ظاہر فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا۔

"میں اعتراف کرتا ہوں ان خدمات جلیلہ کا جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اکابر نے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں کی ہیں اور اس میں سب سے زیادہ شاندار خدمات حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہیں۔ جنہوں نے باہر کی دنیا میں اسلام پھیلانے میں اور انگریزی خواں مسلمانوں کے اندر اسلام کی ترویج و اشاعت کرنے میں بیش بہا کام کیا ہے کہ دور قریب میں اس کی مثال نہیں دکھائی دیتی اس پر میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اس بیدار مغز اور بیدار مقصد تبلیغی انجمن کو جو اسلام کی تبلیغ میں یقیناً کوتاہی نہیں کر رہی ہے" (پیغام صلح ۲۹ اپریل ۱۹۶۴ء)

غازی صاحب آپ اس جماعت کو خارج از اسلام قرار دیئے جانے پر خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں۔ جس کی بیش بہا خدمات دینیہ کا اعتراف آپ کے اپنے ہی سینکڑوں بزرگ کر چکے ہیں اور جن کی فہم و فراست میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

آپ نے صرف علامہ اقبال کی رائے کو پلے باندھ رکھا ہے۔ حالانکہ وہ رائے اصل حقائق کا منہ چڑاتی ہے اور ان کی ذات گرامی کی بدنامی کا باعث ہے۔ احمدی مبشرین اور مبلغین نے اہل مغرب کے انداز فکر کو اسلام کی حقانیت اور اس کی ابدی صداقتوں کے حق میں بدلا ہے۔ اس کا اعتراف تو مخالفین اسلام بھی کرتے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں ہمارے مہربان علماء کو جو خود کو اسلام کے پاسبان سمجھتے ہیں ہمیشہ آشوب چشم کا عارضہ لاحق رہا ہے اور کبھی حق گوئی سے کام نہیں لیا۔ اور اگر کبھی کچھ اظہار حق کیا بھی تو اس کا انداز یہ رہا۔

"میری حیرت زدہ نگاہیں بحسرت دیکھ رہی ہیں کہ بڑے بڑے گریجوایٹ اور وکیل اور پروفیسر اور ڈاکٹر جو کانٹ ڈیسکارٹ اور ہیگل کے فلسفے تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے غلام احمد قادیانی کی خرافات واہیہ پر اندھا دھند آنکھیں بند کر کے ایمان لاتے ہیں ------ (احمدیہ جماعت) ایک تناور درخت ہو چلا ہے جس کی شاخیں ایک طرف چین اور دوسری طرف یورپ میں پھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔" (مولانا ظفر علی خان' اخبار زمیندار ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

مگر جن بزرگوں کی روحیں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بیقرار رہتی تھیں انہوں نے تحریک احمدیت کی خدمت کو یوں بنظر استحسان دیکھا تھا۔

"تحریک احمدیت کی ان زبردست کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ مسلمان جو اٹھارہویں صدی میں اپنی موت پر دستخط کئے ہوئے تھے خدا کے فضل سے اپنے اندر زندگی کی ایک برقی لہر محسوس کرتے ہوئے اعلان عام کر رہے ہیں۔ کہ یہ بیسویں صدی ہر جگہ مسلمانوں کے لئے نشاۃ ثانیہ کے لئے بیداری کا آغاز ہے۔" (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم' پی ایچ ڈی بحوالہ رسالہ استقلال' لاہور ص ۱۰)

یہ باتیں میں نے بطور تمہید بیان کی ہیں۔ تاکہ غازی صاحب کو تحریک احمدیہ کی ان خدمات جلیلہ کا بھی احساس ہو جو اشاعت اور دفاع اسلام کے سلسلہ میں اس نے سرانجام دی ہیں۔

غازی صاحب فرماتے ہیں کہ "مرزا غلام احمد کی جبین حیات میں دونوں گروہوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ مرزا صاحب کے تمام متبعین بشمول مسٹر محمد علی لاہوری ہربات میں متفق الخیال تھے۔ حتی کہ جب حکیم نور الدین صاحب مرزا غلام احمد صاحب کے بطور خلیفہ جانشین ہوئے تو محمد علی لاہوری اور مرزا بشیر الدین دونوں نے اس کی سربراہی کو قبول کیا تھا۔ اور قادیانیوں کے مسلک میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوا۔ مسلک میں کوئی تنازع نہ اٹھا۔ اس سارے عرصہ میں مرزا غلام احمد کے تمام پیروکار بشمول محمد علی لاہوری کھلے بندوں اعلان کرتے تھے کہ مرزا خدا کا نبی اور رسول ہے۔ اور جو لوگ اس کی نبوت کے منکر تھے انہیں شدت سے کافر قرار دیتے تھے۔"

اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ۱۹۱۴ء سے قبل زمانہ میں مولانا محمد علی' حضرت مرزا صاحب کو نبی اور رسول مانتے اور لکھتے تھے۔ انگریزی رسالہ

ریویو آف ریلیجنز کے مختلف شماروں سے آپ کی تحریرات میں سے پانچ اقتباس نقل کئے ہیں۔ اور ۱۳ مئی ۱۹۰۴ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں آپ کے بیان کا وہ حصہ بھی نقل کیا ہے۔ جو جون ۱۹۳۷ء میں قادیانی مناظر نے "مباحثہ راولپنڈی" میں پیش کیا تھا۔

مجھے اور میری طرح جماعت احمدیہ لاہور سے وابستہ ہر شخص کو اعتراف ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے بارے میں نبی اور رسول کے الفاظ ۱۹۱۴ء سے قبل اکابر سلسلہ کی تحریرات میں ضرور استعمال ہوتے تھے۔ مگر جن معنوں میں استعمال ہوتے تھے انہیں دانستہ طور پر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے جن معنوں میں یہ الفاظ استعمال کئے ان کی تشریح بھی آپ نے خود ہی فرمادی تھی۔ مگر غازی صاحب کی بلا سے وہ تو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ۱۹۱۴ء سے پہلے مولانا محمد علی حضرت مرزا صاحب کو نبی اور رسول مانتے تھے۔ کن معنوں میں مانتے تھے اس سے انہیں کچھ سروکار نہیں۔ مگر یہ وطیرہ ایک عالم دین کی شان کے شایان نہیں۔ اسی ریویو آف ریلیجنز میں حضرت ممدوح کے مندرجہ ذیل الفاظ موجود ہیں:

"اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا تو ایک محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اس قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدث کا حمل نبی پر جائز ہے۔ یعنی کہہ سکتے ہیں کہ المحدث نبی" (جلد ۳ صفحہ ۱۱۷، ۱۹۰۴ء)

اور صفحہ ۱۳۱ پر لکھا:

"یہی امت ہے کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کی مانند خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو جاتے ہیں اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خدا تعالیٰ کے روشن نشان ان پر ظاہر ہو جاتے ہیں"۔

گویا حضرت مولانا مرحوم نے حدیث نبوی علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا صحیح مفہوم اور مطلب ان درج شدہ الفاظ میں بیان فرمادیا تھا۔ لیکن ۱۹۱۴ء کے آغاز میں اشتباہ کا ایک موقع پیدا ہوا ایک صاحب نے ریویو آف ریلیجنز کے لئے ایک مضمون بعنوان "احمد از پرافٹ" لکھا تو حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اس پر ذیل کا نوٹ تحریر کیا۔

"لفظ پرافٹ" (نبی) یہاں اصطلاح شریعت میں استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم آخری نبی ہیں۔ بلکہ اس کو یہاں خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنیوالے کے وسیع معنے میں استعمال کیا گیا ہے اور یہ وہ نعمت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سب سچے مسلمانوں کو دیا ہے۔ (لھم البشریٰ فی الحیات الدنیا) اور یہی وہ نعمت ہے جو ایک ممتاز رنگ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو عطا کی گئی۔"

ان معنوں میں لفظ نبی کے استعمال پر احمدیہ جماعت کے تمام اکابر کا اجماع تھا۔ اور انہی معنوں میں سلسلہ کے لٹریچر میں یہ لفظ استعمال ہوتا تھا۔ مشتے از خروارے احمدی عالم دین مولوی سید سرور شاہ صاحب نے جو مرزا بشیرالدین صاحب کے استاد بھی تھے اپنے ایک مضمون میں لکھا:

"لفظ نبی کے معنے اپنے مصدروں کے لحاظ سے دو ہیں اول اپنے خدا سے اخبار غیب پانے والا دوم عالی رتبہ شخص جس شخص کو اللہ تعالیٰ بکثرت شرف مکالمہ سے مشرف کرے اور غیب کی خبروں پر مطلع کرے وہ نبی ہے اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء ہو گزرے ہیں۔" (اخبار بدر، قادیان ۱۶ فروری ۱۹۱۱ء)

اسی طرح ایک دوسرے بزرگ مفتی محمد صادق صاحب نے لکھا:

"شبلی نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبین ہیں آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں نہ نیا نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ وہ بھی آنحضرتؐ کے طفیل آپؐ سے فیضیاب ہو کر اس امت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں جو پوری ہوتی رہیں اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔" (بدر جلد ۹ نمبر ۵۱-۵۲)

ان تحریروں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد غازی صاحب کو لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نبوت جو حضرت مرزا صاحب اور تمام علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کو ملتی رہی وہ نبوت ہرگز نہیں جو سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا:

"اور ایک نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ یہ ان کا سراسر افتراء ہے۔ بلکہ جس نبوت کا دعوی کرنا قرآن شریف کی رو سے منع کیا گیا ہے ایسا کوئی دعوی نہیں کیا گیا۔" (حقیقتہ الوحی ص ۳۹۰، ۱۹۰۷)

ساری احمدیہ جماعت اپنے امام ربانی کے اسی عقیدہ پر ۱۹۱۴ء سے پہلے قائم تھی۔ خود مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب بھی اسی عقیدہ پر قائم تھے۔

اور جماعت کے اکابر اپنی تحریرات میں حضرت مرزا صاحب کو صرف لغوی معنوں میں نبی لکھتے تھے۔ اگر وہ حضرت اقدس کو دوسرے انبیاء کی طرح نبی مانتے ہوتے۔ تو پھر مرزا بشیر الدین محمود احمد مندرجہ ذیل بات لکھنے کی کیسے جرأت کر سکتے تھے:

"چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبین کے مرتبہ پر قائم کر کے آپ پر ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ایک ہی دروازہ کھلا رکھا گیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا دروازہ ہے۔ ایک زمانہ تھا جبکہ مختلف ممالک میں مختلف قوموں کے لئے انبیاء آتے تھے اور ایک دوسرے سے کچھ تعلق نہ ہوتا تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد کوئی شخص مامور نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس پر رسول اللہ صلعم کی اتباع کی مہر نہ ہو صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کی اتباع کی برکت سے ایسے ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں کہ جو بڑے بڑے انبیاء کا مرتبہ رکھتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اور آپ کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔" (اخبار بدر، ۲۲ مارچ ۱۹۱۱ء)

"مگر آنحضرت صلعم کے دعوے کے بعد تیرہ سو برس گزر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعوی کر کے کامیابی حاصل نہیں کی۔ آپ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا۔ آخر آپ سے پہلے بھی تو لوگ نبوت کا دعوی کرتے تھے..... مگر آپ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا۔ اب کیوں کوئی کامیاب نہیں ہوتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی پیشگوئی ہے کہ آپ خاتم النبین ہیں۔ اب ہم اسلام کے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کیا نشان ہو سکتا ہے کہ آپ کے دعویٰ کے بعد کوئی شخص جو مدعی نبوت ہوا ہو کامیاب نہیں ہوا۔ پس اس طرف اشارہ تھا کہ کان اللہ بکل شئی علیما یعنی ہم نے آپ کو خاتم النبین بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔ (رسالہ تشحیذ الاذہان، اپریل ۱۹۱۰ء)

اگر غازی صاحب کا مقصد احقاق حق ہے۔ تو پھر میری ان پیش کردہ تحریرات سے وہ با آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء نے ۱۹۱۴ء کے بعد اپنے موقف اور مسلک میں تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد نے جماعت کے اصل عقائد میں غلو کیا ہے۔ اور اجرائے نبوت اور تکفیر اہل قبلہ کو اپنے بنیادی عقیدے بنا لیا ہے۔ اگر حضرت مولانا محمد علی صاحب حضرت مرزا صاحب کو ویسا ہی نبی قرار دیتے تھے جیسا کہ جماعت قادیان اب قرار دے رہی ہے۔ تو آپ نے حضرت اقدس کے منکرین کو لازماً کافر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہوتا۔ مگر قادیانی حضرات بار بار مطالبہ کے باوجود آج تک حضرت ممدوح کی کوئی ایک تحریر بھی اس سلسلہ میں پیش نہیں کر سکے۔ ظاہر ہے کہ جب گذشتہ اسی (۸۴) سال میں قادیانی کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے تو ایم اے غازی صاحب کی کیا بساط ہے۔ میں اس سلسلہ میں خود حضرت مولانا صاحب کی اپنی تحریر پیش کرتا ہوں جو اس نکتہ کو بہت زیادہ واضح کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"اگر میری لفظ نبی کے استعمال سے وہی مراد ہوتی جو آج قادیانی جماعت لیتی ہے تو ظاہر ہے کہ جس طرح وہ بانی سلسلہ پر ایمان نہ لانیوالوں کو کافر قرار دیتی ہے۔ میں نے بھی کبھی ان کو اپنی کسی تحریر میں کافر قرار دیا ہوتا اور میں ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ ان بزرگوں کو یہ چیلنج دے چکا ہوں کہ وہ میری انبار در انبار تحریروں سے میرے کسی مضمون سے یہ نکال دکھائیں کہ میں نے کبھی غیر احمدیوں کو کافر قرار دیا ہو۔ لیکن وہ آج تک کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کر سکے اور انشاء اللہ قیامت تک نہ کر سکیں گے۔"

اور آخر میں ایک بڑی ٹھوس حقیقت یوں بیان فرمائی:

"پھر ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریروں کی منسوخی کا ایک ڈھکوسلا نکالا ہے۔ بانی سلسلہ نے کہیں نہیں لکھا اور نہ ۱۹۱۴ء تک کسی احمدی کے وہم و گمان میں یہ بات تھی کہ بانی سلسلہ کی ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہیں۔ جب تک کہ خلیفہ قادیان نے مسلمانوں کی تکفیر کے شوق میں یہ ایجاد نہ کی تھی۔ اگر تھی تو اب بھی قسم کھا کر کوئی احمدی کہہ دے کہ خلیفہ قادیان کے ایسا لکھنے سے پہلے اسے یہ علم تھا کہ ۱۹۰۱ء میں بانی سلسلہ کے دعویٰ میں تبدیلی ہو گئی تھی اور پہلی تحریریں منسوخ ہو گئی تھیں۔ اور اس ڈھکوسلا کا تو یہی جواب کافی ہے کہ ۱۹۰۱ء کے بعد جنوری ۱۹۰۳ء میں اپنی کتاب "مواہب الرحمٰن" میں بانی سلسلہ صفحہ ۶۶،۶۷ پر

اندکے ذکر دربارۂ عقائد ما

کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں۔

وخدا را مکالمات و مخاطبات است باولیائے خود دریں امت وایشاں را رنگ انبیاء دادہ می شود و در حقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است۔

اس ظلم کی کوئی انتہا ہے کہ ایسی صاف تحریروں کے باوجود آج بانی سلسلہ کو فی الحقیقت نبی بنایا جاتا ہے۔ احمدیت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں کہ اپنے وہ کام کر رہے ہیں جن کی غیروں سے شکایت تھی۔"

(ٹریکٹ "میری تحریر میں لفظ نبی کا استعمال" ۱۴ اپریل ۱۹۴۱ء)

میں ایم اے غازی صاحب کو مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تحریرات میں جہاں کہیں نبی اور رسول کے الفاظ آئے ہیں وہاں محدث اور مامور کے الفاظ لکھ لیں اس سے ان کی تمام دماغی الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ اور جو اعتراض انہوں نے کئے وہ تمام رفع ہو جائیں گے۔ بہر حال غازی صاحب نے جماعت احمدیہ کی ۱۹۱۴ء سے پہلے کی جو صورتحال اپنی تمہید میں بیان کی ہے۔ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اصل صورتحال کے بالکل برعکس ہے۔ اکابر جماعت لاہور نے اپنے پرانے موقف میں سرمو کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ بلکہ مرزا بشیرالدین صاحب اور ان کے ساتھیوں نے اپنے موقف میں تبدیلی کر کے ایک بہت بڑے فتنہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور حضرت مرزا صاحب سے اس نبوت کا دعویٰ منسوب کر دیا جس کے انکار سے ساری امت محمدیہ ہی کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔ وہ نبوت جو محض لغوی 'جزوی' ظلی اور مجازی تھی وہ انہی معنوں میں حقیقی اور عین اصطلاح اسلام کے مطابق بنا دی گئی جیسی تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی تھی اور جس ہستی کا اعلان یہ تھا۔ کہ ابتداء سے میرا مذہب یہ ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا ("تریاق القلوب" صفحہ ۱۳۰)۔ اسی جلیل القدر ہستی کے فرزند نے اور اسی قادیان کی بستی سے یہ اعلان کیا۔ کہ "یہ تبدیلی عقیدہ مولوی صاحب (حضرت مولانا محمد علی صاحب۔ ناقل) تین امور کے متعلق بیان کرتے ہیں اول یہ کہ میں نے حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ خیال پھیلایا ہے کہ آپ فی الواقع نبی ہیں۔ دوم یہ کہ آپ ہی آیت اسمہ احمد کی پیشگوئی مذکورہ قرآن کریم (سورہ صف آیت ۷) کے مصداق ہیں سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں" (" آئینہ صداقت" صفحہ ۳۵)۔ اس صورت حال میں اکابر لاہور کا قادیان کی مرکزی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنا بڑا ہی جراتمندانہ اقدام تھا۔ جس جوش و جذبہ اور اخلاص سے ان بزرگوں نے دنیا کو لات مار کر حضرت امام ربانی کے قدموں میں بیٹھ کر خدمت دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ اور شاہانہ زندگی کی بجائے اپنے مرشد کی بستی قادیان میں درویشانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ اسی جوش و جذبہ سے تمام دنیوی اغراض سے بالاتر ہو کر نہایت بے سروسامانی کی حالت میں لاہور منتقل ہو کر کھپریلوں کے سائے میں بیٹھ گئے تھے۔

میں غازی صاحب کو یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ حضرت مولانا نورالدین کے زمانہ خلافت میں ایک تنازعہ مسئلہ تکفیر کے سلسلہ میں پیدا ہوا تھا۔ جس کے باعث جماعت دو گروپوں میں بٹ گئی تھی۔ اور اس تنازعہ کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے جو اظہار خیال کیا تھا غازی صاحب اس پر غور فرمائیں۔ مولانا مرحوم نے اپنے اخبار "الہلال" مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء میں لکھا:

"ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان ہیں گو وہ مرزا صاحب کے دعووں پر ایمان نہ لائیں لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاجزادہ بشیرالدین محمود ہیں اس گروہ نے اب انہیں خلیفہ قرار دیا ہے مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔ مولوی محمد علی ایم اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب جرات اور دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے۔ جہاں پہلے گروہ کے روسا ہیں وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔"

یہ اس عظیم شخص کی رائے ہے جو اپنے اسلامی جوش و جذبہ اور دینی اور سیاسی بالغ نظری کے باعث مدت دراز تک مسلمانان برصغیر پاک و ہند کے دل و دماغ پر چھایا رہا مگر جسے جماعت احمدیہ سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اس غیر جانبدار شخص کی رائے بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

مقدمہ کرم دین میں حضرت مرزا صاحب کا بیان اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کی شہادت

"مباحثہ راولپنڈی" جو جون ۷ ۱۹۳ء میں مابین جماعت احمدیہ لاہور اور جماعت قادیان ہوا تھا۔ اس میں سے حضرت مرزا صاحب کا تحریری بیان جو آپ نے کرم دین بھیں کے مقدمہ میں داخل کرایا تھا اور جو شہادت حضرت مولانا محمد علی صاحب نے باقرار صالح دی تھی غازی صاحب نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اور مولانا محمد علی صاحب دونوں ہی مسلمانوں کو کافر جانتے تھے۔ مگر انہیں یہ یاد نہیں رہا۔ کہ حضرت مرزا صاحب کے دعوے کا انکار کرنا ایک بات ہے اور آپ کی تکذیب و تکفیر کرنا دوسری بات ہے۔ کرم دین حضرت مرزا صاحب کا بہت بڑا مکذب تھا اور اس نے ایک جھوٹا مقدمہ

آپ کے خلاف عدالت میں دائر کیا تھا۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہی مقدمہ اس کی مزید ذلت و رسوائی کا باعث بن گیا۔ اور اس کا کاذب ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔ غازی صاحب یہ بتائیں کہ ایک مجدد اور محدث کو آپ مامور من اللہ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر تسلیم کرتے ہیں۔ تو اس کے مکذب اور مکفر کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے۔ کیا اس تکفیر اور تکذیب کے باوجود بھی وہ مومن کا مومن ہی رہے گا۔ یا کسی سزا کا مستوجب ٹھہرے گا۔ جو مسلمان جھوٹ بولتا ہے اور کسی سچے انسان پر جھوٹا الزام لگاتا ہے وہ کاذب اور کذاب کہلاتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص بھی کذاب کہلاتا ہے جو جھوٹا دعویٰ ماموریت کا کرتا ہے۔ مگر جب تک وہ کلمہ طیبہ کا اقراری ہے۔ وہ بہرحال دائرہ اسلام کے اندر رہتا ہے اور کفر دون کفر کا مرتکب کہلاتا ہے۔ مگر ایک غیر مسلم کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ ہر ایک عیسائی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو سچا نہیں جانتا۔ اگر سچا تسلیم کرے تو پھر وہ عیسائی نہیں رہتا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے بیان میں کہا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے مرید آپ کو سچا اور دشمن جھوٹا سمجھتے ہیں۔ وہاں دشمن سے مراد تمام مسلمان نہ تھے بلکہ وہ لوگ تھے جو آپ کی تکذیب اور تکفیر پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ میں تکفیر اہل قبلہ کے باب میں ثابت کر آیا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب آپ کی تکفیر نہ کرنے والے مسلمانوں کو مسلمان جانتے تھے۔

قادیانی مناظر نے ان حوالوں سے وہ کام لینے کی ناکام کوشش کی تھی جو ایک ڈوبتا انسان تنکوں کا سہارا لیکر کرتا ہے۔ کاش غازی صاحب نے اس بحث کو جو کفر و اسلام کے موضوع پر دونوں جماعتوں کے مناظروں کے درمیان ہوئی تھی۔ خود پڑھا ہوتا۔ اور انہیں پتہ چل جاتا کہ قادیانی مناظر جماعت لاہور کے مناظر کے ہاتھوں کیسا پٹا تھا۔

میں ختم نبوت کے باب میں غازی صاحب کو بتا چکا ہوں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے پہلی امتوں میں پیدا ہونیوالے محدثوں کو انبیاء میں جن کی تعداد حدیث شریف میں ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے شمار کیا ہے۔ (خیر کثیر صفحہ ۲۴۶)۔ اسی بزرگ کی زبان سے محدث کا مرتبہ بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

"محدث کا وہ مرتبہ ہے کہ جب محدث ظہور پاتا ہے تو اس کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ اجتہادی شریعتوں کا پابند نہیں ہوتا جس طرح سورج کے ہوتے ہوئے چراغ کی ضرورت نہیں رہتی ایسا ہی محدث کا حال ہے کہ وہ مجتہدوں کے اجتہاد کا پابند نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب وہ آتا ہے تو اس کے ساتھ وحی اور رسولوں کے علوم ہوتے ہیں" (تفہیمات الہیہ صفحہ ۱۳۶)۔ ایسے عظیم المرتبت مامور کا مکذب کاذب اور کذاب نہ کہلائے گا تو اور کس نام سے یاد کیا جائے گا۔

جب محدثین بحیثیت مکلم من اللہ اور مامور کے گروہ انبیاء میں داخل سمجھے جاتے ہیں تو انہی معنوں میں اگر حضرت مولانا محمد علی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو نبی اور رسول لکھدیا تھا تو کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ میں اس ساری بحث کو لپیٹنے کے لئے حضرت مولانا صاحب کا وہ حلفیہ بیان ذیل میں لکھ دیتا ہوں جو آپ نے قادیانی جماعت کے بار بار کے مطالبہ پر دیا تھا۔

"میں محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب مجدد و مسیح ہیں مگر نبی نہیں اور نہ ہی ان کے انکار سے کوئی شخص کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو سکتا ہے اور یہی عقیدہ حضرت صاحب کا تھا۔

اے خدا اگر میں نے تیرا نام لیکر قسم کھانے میں جھوٹ بولا ہے تو تو اپنی طرف سے ایسی عبرتناک سزا مجھ پر بھیج جس میں انسانی ہاتھ کا کوئی دخل نہ ہو اور جس سے دنیا سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھا کر مخلوق خدا کو دھوکہ دینے والوں پر خدا تعالیٰ کی گرفت کیسی سخت اور دردناک ہوتی ہے"
(اخبار پیغام صلح ۱۱ دسمبر ۱۹۴۶ء)

اس موکد بعذاب قسم کے بعد آپ نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء بمطابق ۱۰ محرم الحرام کو داعی اجل کو لبیک اس وقت کہا۔ جب آپ اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن اور تفسیر کی نظر ثانی سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ کے مقابلے میں خلیفہ قادیان کو حلف موکد بعذاب اٹھانے کی کبھی جرات نہ ہوئی۔

اخبار "پیغام صلح" کا مزعومہ متفقہ حلفیہ بیان

غازی صاحب نے رسالہ "فرقان" قادیان کے حوالہ سے وہ بیان تحریر کیا ہے جو "پیغام صلح" کے مدیروں نے ایک سازش کے تحت ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں شائع کیا تھا۔ غازی صاحب نے اس بیان کو جماعت لاہور سے منسوب کر دیا ہے۔ اور ایک لمحہ کے لئے نہیں سوچا کہ ان کے اپنے قول کے مطابق ساری جماعت ۱۹۱۴ء سے پہلے متحد تھی۔ اور جماعت لاہور کا وجود مارچ ۱۹۱۴ء میں قائم ہوا تھا۔ حیرت ہے جب جماعت لاہور کا ۱۹۱۴ء سے قبل الگ وجود ہی نہ تھا۔ تو اس بیان یا اعلان کو اس سے کیوں کر منسوب کیا جا سکتا ہے۔ آپ زیادہ سے زیادہ اس بیان کو اس سوسائٹی سے منسوب کر سکتے ہیں جو "پیغام صلح" کی مالک تھی۔ مگر میں غازی صاحب کو بتا دوں کہ اس اعلان کے چھپتے ہی دونوں ایڈیٹر صاحبان کو جو درپردہ مرزا بشیر الدین محمود کی

بنا کردہ انصار اللہ پارٹی کے ممبر تھے فوراً چھٹی کرادی۔ کیونکہ یہ اعلان "پیغام صلح" کی بنیادی حکمت عملی کے خلاف تھا۔ اور اس کا مقصد مالکان اخبار کی مسلمانوں میں ہر دلعزیزی کو نقصان پہنچانا تھا۔

جب ۱۹۱۴ء میں جماعت احمدیہ لاہور کی داغ بیل پڑی۔ تو یہ اخبار سوسائٹی کے ہاتھ سے نکل کر نو قائم شدہ انجمن کی تحویل میں آگیا اور اس کی ترجمانی کے فرائض ادا کرنے لگا۔ اگر غازی صاحب اس اخبار پر انجمن کا ترجمان بننے کے بعد کوئی گرفت کریں۔ تو میں جانوں۔ مگر وہ انشاء اللہ ایسا کبھی نہ کرسکیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رہنا چاہئے۔ کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب اپنے مرشد ربانی کے زمانہ سے قادیان میں مستقل طور پر مقیم تھے۔ ایک طرف انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر تھے' دوسری طرف صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری تھے۔ اور تیسری طرف حضرت مولانا نورالدین صاحب کے زمانہ خلافت میں انگریزی ترجمۃ القرآن اور تفسیر کے مشکل ترین کام میں ہمہ وقت مصروف تھے۔ لاہور میں الگ جماعت بنانے کی نوبت اس وقت آئی جب پانی سر سے اوپر گزر گیا اور قادیان میں بیٹھ کر اصلاح احوال کی کوئی صورت ممکن نہ رہی۔

جماعت لاہور کی قرارداد حضرت مرزا صاحب کے جانشین کے بارے میں

غازی صاحب نے جماعتِ احمدیہ لاہور کی اس قرارداد کا اقتباس بھی درج کیا ہے جو "پیغام صلح" مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اور لکھتے ہیں کہ اس قرارداد سے اختلاف کی اصل وجہ کا انکشاف ہو جاتا ہے اور اسے محض سیاسی تنازعہ قرار دیکر لکھا ہے کہ اس کے باعث لاہوری گروہ نے اصل جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ میں اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے مضمون کا اقتباس لکھ چکا ہوں جو غازی صاحب کے اخذ کردہ نتیجہ کو باطل قرار دیتا ہے۔ لاہور کے بزرگوں نے اپنی قرارداد خالص دینی مقاصد کے پیش نظر منظور کی تھی۔ پہلا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مرزا بشیرالدین صاحب کو امیر مان لینے سے جماعت بہت بڑے انتشار سے بچ جائے گی۔ اور اس کا اتحاد برقرار رہے گا۔ پرانے احمدیوں سے دوبارہ بیعت نہ لینے کے مطالبہ کا مقصد یہ تھا کہ اکابر سلسلہ جماعت کے اندر رہ کر جملہ اختلافات پر جو پیدا ہو چکے تھے پوری آزادی سے باہم گفتگو کرسکیں گے اور اختلاف کی خلیج کو پاٹ دیں گے۔ ان کے لئے بھی بیعت لازمی قرار دی گئی۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ بغیر خلیفہ کی رضامندی اور اجازت کے وہ آپس میں کوئی گفتگو پوری آزادی سے نہ کرسکیں گے۔ اور اس طرح جو فتنہ جاگ اٹھا ہے اس کا قلع قمع کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ چنانچہ اکابر لاہور کا اندازہ بالکل درست نکلا۔ مرزا بشیرالدین صاحب نے اپنے تمام مبلغ کو ہدایت جاری کردی کہ ماسوا چند علماء جماعت کوئی شخص جماعت لاہور کا پیدا کردہ لٹریچر ہرگز نہ پڑھے۔ اور یوں اپنی جماعت پر باہر سے آنے والی ہر آواز پہنچنے کے دروازے بند کردیئے۔ اس شخص نے اپنی اس حکمت عملی پر بڑی سختی سے عمل کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ جماعت صرف وہ کچھ جانتی اور کرتی ہے جو اس کا خلیفہ اسے بتاتا ہے۔ گویا حضرت بانی سلسلہ کی ساری تعلیم کا لب لباب اب صرف "ایمان بالخلافت" رہ گیا ہے۔

غازی صاحب نے مذکورہ قرارداد سے جو مزید نتیجے اخذ کئے ہیں۔ وہ سب سراسر غلط ہیں۔ میں اوپر بتا آیا ہوں کہ اکابر لاہور نے اپنے پرانے مسلک میں سرمو کوئی تبدیلی نہ کی تھی۔ بلکہ جو تبدیلی اصل مسلک میں کی گئی اس کے خلاف جہاد کی خاطر لاہور میں الگ جماعت بنانی پڑی۔

اگر جماعت احمدیہ لاہور حضرت مرزا صاحب کو لغوی اور مجازی معنوں میں نبی بتاتی اور پیش کرتی ہے تو یہ عین حضرت ممدوح کے اپنے دعویٰ کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔

سمیت نبیا من اللّٰہ علٰی طریق المجاز لا علٰی وجہ الحقیقت (حقیقۃ الوحی ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)۔ اسی طرح "انجام آتھم" میں فرماتے ہیں:

"کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعوی کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین کرتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت بھی حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعوی نہیں کیا۔ غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں ۔۔۔۔۔ لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا" (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۷' ۱۸۹۷ء)

خدا جانے غازی صاحب اتنی بڑی مصیبت میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ اور بات کیوں مختصر نہیں کرتے۔ وہ عالم دین ہونے کا ادعا کرتے ہیں۔ وہ بتائیں کہ از روئے شریعت کوئی شخص بغیر وحی نبوت پانے کے نبی ہو سکتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے صرف وحی ولایت پانے کا دعویٰ فرمایا ہے۔ اس وحی کا پانے والا کیسے نبی ہو سکتا ہے۔ آپ قادیانی جماعت کے علماء کی معاونت حاصل کرلیں اور بتائیں حضرت مرزا صاحب نے کس جگہ وحی نبوت پانے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر ایسا دعویٰ کہیں موجود ہی نہیں تو معلوم ہوا فنافی الرسول ہونے کے باعث آپ نے اپنے آپ کو ظلی طور پر محمدؐ احمدؐ اور نبی کہا تھا۔ اس طریق سے ختم نبوت کا تخلف بھی لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حضرت اقدس نے صاف لکھ دیا ہوا ہے کہ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی فنافی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدیہ کی چادر ہے (ایک غلطی کا ازالہ)۔ اور اپنی نبوت کے متعلق فرمایا کہ یہ نبوت بباعث امتی ہونے کے دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ظل ہے کوئی مستقل نبوت نہیں۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم ۱۹۰۸ء) اور اس ظلی نبوت کو صرف اپنی ذات سے مختص نہیں کیا بلکہ فرمایا:

''مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی مگر ظلی نبوت جس کے معنے ہیں محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو'' (حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۸)۔

جماعت لاہور کے بارے میں غازی صاحب کے مفروضے

غازی صاحب ایڑی چوٹی کا زور یہ ثابت کرنے کے لئے لگا رہے ہیں کہ جو عقیدہ یا مسلک جماعت لاہور نے اختیار کر رکھا ہے اپنے عملی اثرات کے لحاظ سے قادیانی مسلک سے مختلف نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے۔ میں اس کا ایک مختصر حل یہ پیش کرتا ہوں کہ غازی صاحب حضرت مرزا صاحب کی تکفیر اور تکذیب سے دستکش ہو جائیں اور علی الاعلان کہہ دیں کہ میں حضرت اقدس کو کلمہ گو اور اہل قبلہ مسلمان سمجھتا ہوں۔ تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کے اکابر آپ کو امام الصلوۃ قبول کر کے آپ کے پیچھے بغیر کسی حیث بحث کے نماز پڑھنے کو تیار ہیں۔ اسی ایک بات سے حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت اور تکفیر اہل قبلہ کا سارا قصہ حل ہو جائے گا۔ بہر حال جو بات وہ لکھتے ہیں اس کا جائزہ بھی ہم لے لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

عقیدہ کے دو مسئلے ہیں جو قادیانی اور لاہوری گروہوں کے مابین اختلاف کی بنیاد بتائے جاتے ہیں۔

(۱) مرزا غلام احمد کے لئے نبی اور رسول کے الفاظ کا استعمال۔ لاہوری گروپ دعوی کرتا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے بلکہ انہیں مجدد تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) غیر احمدیوں کو کافر قرار دینا۔ لاہور گروپ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ان مسلمانوں کو جو مرزا صاحب کو نہیں مانتے کافر نہیں قرار دیتا۔ ان دونوں مابہ الامتیاز کا اس کی اپنی تحریرات کی رو سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

آگے چل کر پھر وہ تجزیہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مجدد سے اس گروپ کی کیا مراد ہے اور حضرت مرزا صاحب کی ان تحریرات کی جن میں دعویٰ نبوت پایا جاتا ہے وہ کیا تشریح کرتا ہے۔ اس مضمون پر مسٹر محمد علی لاہوری نے ایک مکمل کتاب لکھی ہے۔ جس میں اپنے مسلک کی تائید میں بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت صرف لغوی اور مجازی رنگ میں تھی۔ غازی صاحب کہتے ہیں کہ اس کتاب کے تحقیقی مطالعہ سے بلاشک وشبہ یہی بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دونوں گروہوں کے درمیان عملی طور پر کوئی بڑا اختلاف نہیں کیونکہ وہ یعنی مولانا محمد علی' حضرت مرزا صاحب سے وہی صفات منسوب کرتے ہیں جو نبی کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ اور وہ تائید کرتے ہیں کہ ایک قسم کی نبوت کا حصول اب بھی ممکن ہے۔ اس سلسلہ میں غازی صاحب نے ''النبوت فی الاسلام'' ایڈیشن اول جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا تھا میں سے صفحات ۲۰۲ اور ۲۰۵ سے تین اقتباس نوٹ کئے ہیں۔ ان اقتباسات کے مطالعہ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا صاحب مرحوم نے مبشرات کو ایک قسم کی نبوت قرار دیا ہے۔ جو ختم نبوت کے عقیدہ پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ مولانا صاحب نے صاف لکھا ہے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں ہوئی جسے مبشرات کہا جاتا ہے۔ غازی صاحب نے ان اقتباسات پر کوئی جرح نہیں کی اور اسلامی تعلیمات اور بزرگان دین کے اقوال کے حوالہ سے مبشرات کے بارے میں کوئی اظہار خیال نہیں کیا۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ غالباً غازی صاحب اس خیر الامت کے علماء ربانی کو بھی مبشرات کی نعمت سے محروم ہی قرار دیتے ہیں اور

او نبی وقت باشد اے مرید۔ تا ازو نور نبی آید پدید

کہنے والے کو نعوذ باللہ کاذب قرار دیتے ہیں۔ کیا حدیث نبوی میں یہ ارشاد

نہیں ہوا۔ لم یبق من النبوت الا المبشرات اور کیا المبشرات کو نبوت کا ہی ایک حصہ نہیں بتایا گیا۔ غازی صاحب کو کسی قادیانی نے یہ حوالے دے دیئے اور انہوں نے بغیر کسی غور و خوض کے لکھ دیئے ہیں۔ "النبوت فی الاسلام" کو خود مطالعہ کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ میں بڑے دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آج تک نبوت کے مضمون پر اس کتاب سے بڑھ کر مدلل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مرزا بشیرالدین محمود صاحب نے اجرائے نبوت کے حق میں "حقیقتہ النبوۃ" حصہ اول لکھی تھی۔ "النبوت فی الاسلام" نے اس کا ایسا منہ توڑ جواب دیا تھا کہ اس شخص کو عمر بھر اپنی کتاب کا دوسرا حصہ لکھنے کی جرات نہ ہوئی۔ حیرت ہے جس کتاب نے اجرائے نبوت کے شائقین کے دانت کھٹے کر کے رکھ دیئے تھے۔ غازی صاحب اس کتاب کے متعلق فتویٰ دیتے ہیں کہ عملی طور پر دونوں گروہوں کے اعتقادات میں کوئی فرق نہیں۔ مبشرات خدا تعالیٰ کی وہ نعمت ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام کی دائمی سچائی اور دائمی زندگی کا روشن اور تابناک ثبوت ملتا ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور کا یہ پختہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ نبوت محمدیہ پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے مگر یہ نبوت محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں ہے بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے۔ اور ان **کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله** کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دل و جان سے پیروی اور محبت کرنے والوں پر خدا تعالیٰ اپنے انعام و اکرام کی بارش کرتا رہتا ہے۔ اور یہ لوگ اس مقام کے ہوتے ہیں کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے تمام صفات اپنے وجود میں رکھتے ہیں۔ ہمارے اس عقیدہ کی تائید حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید علیہ الرحمتہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

"اور بہتیرے ایسے مزکی اور مصفی ہوں گے کہ ان کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مشابہت ہو گی اور رسالت کا ظل ہوں گے اور جس موقعہ سے انبیا لوگ علوم اخذ کرتے تھے اسی جگہ سے یہ لوگ بھی حاصل کریں گے۔ اس واسطے یہ لوگ انبیاء کے استاد بھائی کہلاتے ہیں الغرض یہ لوگ اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ اگر نبی کا ختم ہونا نہ ہوتا تو منصب نبوت پر یہ لوگ قائم ہوتے۔ حاصل کلام ایسے لوگ قیامت تک ہوا کریں گے" (صراط مستقیم، تمہید ص ۱۱)

اگر حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم نے مبشرات کی اہمیت سمجھانے کے لئے اسے نبوت کی ایک قسم لکھ دیا تھا اس سے کونسا شرعی گناہ سرزد ہو گیا۔ ہاں اگر مرزا بشیرالدین محمود صاحب کی طرح مبشرات کو اصل نبوت قرار دیا ہوتا۔ تو غازی صاحب اعتراض کرنے میں ضرور حق بجانب سمجھے جاتے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ غازی صاحب تنکوں کے سہارے سے جماعت احمدیہ لاہور کے بزرگوں پر ہاتھ ڈالنے کی سعی ناکام کر رہے ہیں۔

ظلی اور بروزی نبوت غازی صاحب کی نگاہ میں

غازی صاحب حضرت مرزا صاحب کو مدعی نبوت ٹھہرانے کے لئے ظلی یا بروزی نبوت اور حقیقی نبوت میں کوئی امتیاز رکھنے کے روادار نہیں ہیں۔ بلکہ ایک "غلطی کا ازالہ" میں سے تھوڑی سی عبارت لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت اقدس کے نزدیک نبوت حقیقی اور بروزی میں کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں ایک ہیں۔ کیونکہ بقول ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک حضرت مرزا صاحب کی صورت میں دوبارہ تجسم پکڑ گئی ہے۔ جس کے باعث مرزا صاحب محمدؐ واحمدؐ ہو گئے۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ غازی صاحب نے بروز کا انگریزی زبان میں ترجمہ Reincarnation یعنی روح کا دوبارہ تجسم پکڑنا کیا ہے۔ اگر وہ بروز کا وہ مفہوم اپنے پیش نظر رکھتے جو علماء حق نے بیان کیا ہوا ہے۔ تو پھر جو کیفیت ظلی نبوت کی حضرت مرزا صاحب نے ایک "غلطی کا ازالہ" میں بیان فرمائی ہے اس پر ایک لفظ بھی لکھنے کی جرات نہ کرتے۔ میرے نزدیک یہ بہت بڑی بد دیانتی ہے کہ بروز کے امت میں مسلمہ معنی کو ترک کر کے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ سے معنی مستعار لئے جائیں۔ اور حضرت مرزا صاحب کی تحریر میں جڑ دیئے جائیں۔

غازی صاحب نے "ایک غلطی کا ازالہ" سے جو عبارت نقل کی ہے وہ ملاحظہ ہو:

"کیونکہ بار بار بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت **و آخرین منهم لما یلحقوا بهم** بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم پس اس طور سے خاتم النبین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد صلعم تک ہی محدود رہی یعنی بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا نہ اور کوئی یعنی جب کہ میں

بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا۔"

غازی صاحب نے اس عبارت کو انگریزی زبان میں ڈھالتے ہوئے بروزی طور پر کا ترجمہ by way of manifestation کیا ہے اور ظلی طور پر محمد ہوں کا ترجمہ by way of reincarnation کیا ہے اور بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ پھر by way of reincarnation کیا ہے۔ حالانکہ تینوں جگہ پر ترجمہ manifestation ہونا چاہیے تھا۔ اس مقام پر ظل بروز اور فناہ فی الرسول پر تھوڑی سی گفتگو کرنی ضروری ہے۔

ظل۔ ایک حوالہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کا میں پیچھے لکھ چکا ہوں۔ ظل کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ ارشاد فرماتے ہیں: "ظل ماہیت نہیں رکھتا بلکہ اسی اصل کی ماہیت ہے جس نے ظل میں اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ پس اصل ظل کے لئے نفس ظل سے زیادہ اقرب ہو گا کیونکہ ظل اپنے اصل سے ظل ہے نہ اپنے نفس سے" (مکتوبات حصہ ہشتم مکتوب نمبرا)

حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ:

"ولائت ظل نبوت ہے اور نبوت ظل الوہیت (بهجته الاسرار، ص ۸۲۳)

مکاتیب اقبال میں لکھا ہے:

"انسان کامل ایک صوفیانہ اصطلاح ہے۔ وجود کے تمام مراتب میں انسان اکمل ہے۔ لیکن جملہ افراد انسانی میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے اکمل، ارفع اور حق تعالیٰ کے مظہر اتم ہونے کے باعث انسان کامل سمجھے جاتے ہیں دوسروں کو یہ مرتبہ آپ کی برکت، پیروی اور متابعت اور آپ کی محبت سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ بھی ظلی طور پر، (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مشہور شارح علامہ اقبال لکھتے ہیں:

"تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ظل کا مفہوم کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلی وجود اپنے موجود ہونے پر اصل کا تابع ہوتا ہے یعنی حقیقی وجود کا محتاج ہوتا ہے جس طرح زید اگر دھوپ میں کھڑا ہو تو اس کا ظل یعنی سایہ اگرچہ موجود ہے لیکن اس کا وجود حقیقی یا مستقل بالذات نہیں ہے۔ مثلاً اگر زید وہاں سے ہٹ کر سایہ میں آجائے تو وہ ظل معدوم ہو جائے گا یعنی ظل کی ماہیت وجود نہیں بلکہ عدم ہے" (شرح بال۔ جبریل اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دھلی، ص ۱۶۳)

اسی ظل کی تعریف حضرت مرزا صاحب کی زبان سے بھی سن لیں:

"ظل اپنی ذات میں کچھ چیز نہیں بلکہ اس کے لباس میں اصل ہی ظاہر ہو رہا ہوتا ہے اور ظل کے آئینہ میں اصل کی ماہیت ہی نمایاں ہو رہی ہوتی ہے جیسا کہ صاحب رشد پر مخفی نہیں" (لجتہ النور، ص ۳۸)

"بلاشبہ ہم اعلیٰ درجہ کی امت ہیں جو لوگوں کی بھلائی کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں اور کتنے کمال ہیں جو نبیوں میں اصالتاً پائے جاتے ہیں اور ہمیں ان سے بہتر اور افضل ظلی طریق سے ملتے ہیں" (حمامتہ البشریٰ ص ۷۷)

"اگر کوئی شخص اسی خاتم النبین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا انعکاس ہو گیا ہو تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا کیونکہ وہ محمد ہے گو ظلی طور پر" (ایک غلطی کا ازالہ)۔

"میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۱)

بروز۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بزرگان دین کے نزدیک بروز کی کیا حقیقت اور کیا معنی ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر غازی صاحب نے بروز کو تناسخ کے ساتھ جوڑ دیا ہے اس لئے تناسخ کے بارے میں بھی کچھ آگاہی ہونی چاہیے۔

تناسخ ہندو مذہب کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ مذہب بتاتا ہے کہ جب کوئی جاندار مر جاتا ہے خواہ وہ انسان ہو یا حیوان تو اس کی روح کسی دوسرے نوزائیدہ جسم میں حلول کر جاتی ہے۔ اور یہ حلول روح اس کے پہلے جیون کے اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔ یعنی جب پہلا جیون ختم ہو جاتا ہے تو روح جو انادی ہے کوئی دوسرا تجسم پکڑتی ہے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک راجہ کی روح کسی بلی یا کتے کے جسم میں منتقل ہو جائے۔ حلول ارواح کا یہ عقیدہ ہمارے بزرگان دین اور صوفیا کرام کے نزدیک باطل ہے اور اس کا مسئلہ بروز سے کوئی علاقہ نہیں۔

صوفیا کے نزدیک بروز کی تعریف۔ جب کسی ایک شخص کے خواص روحانیہ اور اخلاق باطنیہ کسی دوسرے شخص میں عکسی طور پر داخل ہوں تو اس کیفیت کو بروز کہتے ہیں۔ مثلاً سورج کی روشنی سے چاند اور ستارے روشن ہوتے ہیں۔ یا سورج کا عکس پانی پر پڑتا ہے تو اس میں اس کا وجود پوری آب و تاب سے روشن دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ سورج اپنی جگہ پر بدستور قائم ہوتا ہے۔ چاند، ستارے اور پانی سب اپنی اپنی حالت پر رہتے ہیں۔ مگر

وہ سب کے سب اپنے اندر صلاحیت جاذبہ رکھتے ہیں۔ اور سورج کی روشنی کو جذب کرتے ہیں اور منور ہو جاتے ہیں۔ لوہا کو آگ میں ڈالیں تو وہ گرم ہو کر بالکل آگ کی شکل اور صلاحیت اختیار کر لیتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی ذات میں آگ نہیں ہوتا۔ یہ سب اس کی قوت جاذبہ کا کمال ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ بروز کی یہ تعریف فرماتے ہیں:

"کمون و بروز کو جو بعض مشائخ نے کہا ہے تناسخ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کیونکہ تناسخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لئے تعلق ہوتا ہے تاکہ اس کے لئے زندگی ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو۔ اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لئے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بدن کو کمالات حاصل ہوں اور واصل بدرجات ہو جائے" (مکتوبات دفتر ۲ حصہ پنجم مکتوب نمبر ۵۸ ص ۲۸)

حضرت محمد بن یحیٰ ابن علی الجیلانی فرماتے ہیں:

بدانکہ روح اعظم را کہ عبارت از حقیقت محمدیست در عالم مظاہر بسیار است از انبیاء و اولیاء و مقام ہدایت و مرتبہ قطبیت کبریٰ در جمیع ازمنہ و دوائراں حقیقت راست چنانچہ در صدر تمثیل فرمود کہ بیت

بود نور نبی خورشید اعظم گہ از موسیٰ پدید گہ ز آدم

وایں بروزات کمل میخوانند (شرح گلشن راز قلمی ص ۱۹۴)

ترجمہ۔ معلوم رہے کہ روح اعظم کے مظاہر جس سے مراد حقیقت محمدیہ ہے جہاں میں بکثرت ہیں خواہ وہ انبیاء ہیں یا اولیاء اور مقام ہدایت و مرتبہ قطبیت کبریٰ تمام زمانوں اور وقتوں میں اس حقیقت کو حاصل ہے۔ چنانچہ بطور تمثیل فرمایا۔

نور نبی ایک بہت بڑا آفتاب تھا جو ایک وقت موسیٰ کی صورت میں ظاہر ہوا اور کبھی آدم کی صورت میں 'اس کو کاملوں کا بروز کہتے ہیں۔"

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اولیاء اللہ کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے اس لئے وہ آپ صلعم کے بروز ہوتے ہیں لہٰذا نہ ظلی نبوت کوئی نبوت ہے اور نہ بروزی نبوت۔ مگر جس کسی شخص میں یہ دونوں حقیقتیں پائی جائیں تو وہ فنافی الرسول کہلاتا ہے۔ فنافی الرسول کی کیفیت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زبان مبارک سے سنئے 'فرماتے ہیں:

"ایک تابعدار اپنے متبوع سے ایسے طور پر مشابہت پیدا کرتا ہے کہ تابعداری کا رنگ درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع اور متبوع کا فرق بالکل زائل ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع اپنے نبی متبوع کے رنگ میں ہو کر جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ اصل (خدا تعالےٰ) سے حاصل کرتا ہے گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں اور دونوں ایک بستر میں ہیں اور دونوں آپس میں شیر و شکر ہیں۔ تابع کہاں اور متبوع کون اور تابعداری کس کی۔ اتحاد میں نسبت غیریت گنجائش نہیں رکھتی" (مکتوبات ربانی جلد دوم مکتوب ۵۴)

اسی لئے حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے:

"نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی فنافی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے۔ جو نبوت محمدی کی چادر ہے ..... غرض میری نبوت اور رسالت باعتبار محمدؐ اور احمدؐ ہونے کے ہے نہ میرے نفس کی رو سے اور یہ نام بحیثیت فنافی الرسول مجھے ملا ہے" (ایک غلطی کا ازالہ)

اگر محترم غازی صاحب ظل اور بروز کے وہ معنی ترک کر دیں جو ہندو مذہب سے لئے ہیں اور بزرگان دین کے بیان کردہ معنی اختیار کریں تو انہیں حضرت مرزا صاحب کی علو شان مانے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو گا۔ یہ صرف نبوت محمدیہ کا حضرت اقدس کے وجود پر پرتو ہے۔ جس کے انعکاس کے باعث حضرت نے ظلی اور بروزی ہونے کا دعویٰ فرمایا اور اس قسم کی نبوت صرف خوش نصیب اولیاء امت کو ملتی ہے۔ جنہیں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ اس سے ختم نبوت کے اسلامی عقیدہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

"خطبہ الہامیہ" اور ملفوظات جلد ۵ ص ۲۰۷ پر گفتگو

غازی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے تمام گذشتہ انبیاء پر اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا ہے نہ صرف یہ بلکہ اپنی ذات میں محمد رسول اللہؐ کی بعثت ثانی کو بعثت اول کے مقابلے میں زیادہ کامل و اکمل اور طاقتور بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں موصوف نے "خطبہ الہامیہ" اور ملفوظات جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۰۷ کا حوالہ دیا ہے۔

ملفوظات میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات نبوت کا گذشتہ انبیاء کی خصوصیات سے مقابلہ کیا ہے۔ اب یہ حقیقت کسی صاحب علم سے مخفی نہیں کہ گذشتہ انبیاء نبوت کی تمام خصوصیات ایک جیسی لے کر مبعوث نہیں ہوئے۔ بلکہ ہر نبی کو نبوت کی خصوصیت اس حد تک ملی جس حد تک اس کی قوم کو اصلاح اور ہدایت کی ضرورت تھی۔ کوئی

نبی مکمل ضابطہ حیات لے کر نہیں آیا تھا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی جو شریعت لائے تھے وہ بھی کامل نہ تھی اور اس میں مسلسل ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی اور وہ شریعت ایک لمبے عرصہ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اپنے کمال کو پہنچی تھی۔ مگر پھر بھی وہ مختص القوم تھی مگر جو شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وہ کل اقوام و ملل کے لئے اور دوامی صورت میں آئی ہے اور قیامت تک یہ ہر تغیر و تبدل سے منزہ ہے۔ اور اس میں ہر وہ سچائی موجود ہے جس کی نسل انسانی کو اپنی راہنمائی کے لئے ضرورت ہے۔ گویا گذشتہ شریعتوں کی بکھری ہوئی صداقتوں کو نہ صرف نبوت محمدیہ میں یکجا کر دیا گیا بلکہ جن ہدایتوں کی نسل انسانی کو ہمیشہ کے لئے مزید ضرورت تھی اور جو پہلی نبوتوں میں موجود نہ تھیں وہ بھی اس شریعت میں داخل کر دی گئی ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر اگر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ گذشتہ انبیاء ظل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بعض خصوصیات کا تو اس سے گذشتہ انبیاء کی کسر شان نہیں ہوئی کیونکہ ان کا یہ ارشاد ایک ناقابل تردید صداقت پر مبنی ہے۔ مگر جو ولی اللہ آنحضرت صلعم کی کامل پیروی اور اتباع سے فنافی الرسول کے مقام پر پہنچتا ہے وہ آنحضور کی تمام صفات نبوت کو ظلی طور پر اپنے وجود میں لے لیتا ہے۔ کیونکہ وہ نبی کامل کا پیرو ہے۔ تاہم اس انعکاس انوار نبوت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ایسا شخص فی الواقع نبی بھی ہو جاتا ہے۔

غازی صاحب خوب جانتے ہیں کہ تمام انبیاء بغیر کسی نبی کی پیروی کے براہ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے معبوث کئے گئے تھے اور ان کی قوموں کو جن جن امور میں ہدایت کی ضرورت تھی ان کے مطابق ہی انہیں خواص نبوت متفرق طور پر عطا کئے گئے تھے۔ مگر امت محمدیہ میں جس قدر باکمال بزرگ پیدا ہوئے ہیں اور آئندہ ہوں گے ان کی پیدائش میں پیروی رسول صلعم کا بتمام و کمال عمل دخل ہے۔ براہ راست معبوث ہونے والے انبیاء اور بالواسطہ فیض نبوت پانے والے افراد میں بڑا امتیازی فرق ہے اور میں کافی پہلے نبی اور غیر نبی میں امتیازی فرق کا خلاصہ بیان کر چکا ہوں۔

"خطبہ الہامیہ" کی عبارت نقل کر کے غازی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے پانچویں ہزار کے زمانہ سے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہور فرما ہوئے چھٹویں ہزار کے زمانہ کو جس میں وہ خود پیدا ہوئے بہتر قرار دیا ہے۔ "خطبہ الہامیہ" سے غازی صاحب نے اپنے مقصد کے لئے یہ عبارت نقل کی ہے:

"بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے۔ بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور اس لئے ہم تلوار اور لڑنے والے گروہ کے محتاج نہیں اسی لئے خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کی بعثت کے لئے صدیوں کے شمار کو رسول کریم کی ہجرت کے بدر کی راتوں کے شمار کی مانند اختیار فرمایا تا وہ شمار اس مرتبہ پر جو ترقیات کے تمام مرتبوں پر کمال تام رکھتا ہے دلالت کرے"۔

جہاں تعصب اور دشمنی ہو وہاں عقل پر پردے ضرور پڑ جاتے ہیں اور سیدھی بات بھی الٹی دکھائی دیتی ہے۔ غازی صاحب قرآن شریف کی آیت استخلاف کو اپنے پیش نظر رکھ کر پہلے تاریخ اسلام کا بنظر غائر مطالعہ کریں اور پھر ان سیاسی اور مذہبی حالات کا جائزہ لیں جو تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے دوران ساری دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ اور سیاسی انحطاط کے انتہائی پر آشوب دور میں مطلوبہ وسائل اور اسباب کے مکمل فقدان کے باوجود اسلام نے جس شان و شوکت سے جملہ ادیان عالم پر فتح پائی اس پر نگاہ دوڑائیں تو ان پر حضرت مرزا صاحب کے اس بیان کی صداقت پوری طرح عیاں ہو جائے گی۔ کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ جب قیصرو کسریٰ کے خزانوں کی چابیاں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں آئیں تو وہ گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی دست مبارک تھے۔ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں جس قدر اسلامی فتوحات ہوئیں وہ سب رسول اللہ صلعم کی ہی فتوحات تھیں۔ اسی طرح امت میں جس قدر اولیاء اللہ اور محدثین اور مجددین ہوئے وہ سب اسی آقائے نامدار کے غلام اور کفش بردار تھے۔ اور ان کے ہاتھوں جس قدر روحانی فتوحات کے کارنامے سرانجام پائے تھے وہ سب فیض محمدی کے طفیل تھے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تلوار کا دور دورہ تھا اور مجاہدین اسلام نے سر کٹوا کر اسلام کو سربلند کیا اور اسلامی سلطنت میں حیرت انگیز وسعت اور ترقی ہوئی۔ مگر اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں جب مغربی اقوام نے خروج کیا۔ تو اسلامی ممالک ایک ایک کر کے تاخت و تاراج ہو گئے۔ اور مسلمان جو صدیوں سے راعی تھے رعیت بن گئے۔ اور پھر دجال نے اسلام کے خلاف وہ ہولناک فتنہ کھڑا کیا کہ اس کی نظیر گذشتہ چودہ سو سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایسے پر آشوب اور حوصلہ شکن حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے دوبارہ ظہور فرمایا اور یہ ظہور کسی خاص ملک یا کسی خاص جگہ پر نہیں بلکہ سارے جہاں پر محیط ہو گیا۔ اور اس ظہور سے قرآنی آیت و آخرین

منہم لما یلحقوا بہم کی عملی تفسیر بھی ہوگئی۔ حضرت مرزا صاحب نے دشمنان اسلام کے خلاف جس قدر کامیابیاں حاصل کیں ان کا سہرا اپنے سر پر نہیں باندھا بلکہ صاف اعلان یہ کیا:

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرہ ز بحر کمال محمدؐ است

علامہ اقبال مرد حق کے متعلق کہتے ہیں:

مرد حق از آسماں افتد چو برق
ہیزم او شہر و دشت غرب و شرق
ما ہنوز اندر ظلوم کائنات
او شریک اہتمام کائنات
او کلیم و او مسیح و او خلیل
او محمدؐ او کتاب او جبریل

غازی صاحب اقبال کے مرد حق کی عظمت کا اندازہ لگائیں جس کا ظہور گویا جملہ جلیل القدر انبیاء کا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز کامل کہہ دیا تو کیا گناہ کیا ہے۔ جب کسی بزرگ نے یہ شعر کہا تھا:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

تو اس وقت یا تو اس پر یہ کیفیت وارد ہوئی ہوگی یا اس کے سامنے ایسی متعدد مثالیں موجود ہوں گی۔ اسلام دراصل ایسی ہی مافوق العادت ہستیوں کے وجود سے ہمیشہ زندہ اور سربلند چلا آ رہا ہے۔ غازی صاحب جیسے رسمی علوم کے ماہروں کے دم قدم سے نہیں۔ جو شخص کہتا ہے:

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

تو ایسے شخص سے ٹکر لینے سے پہلے اپنی حیثیت کو دیکھ لینا چاہیے۔ اگر حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ میرا نام آدمؑ ہے ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان، یحییٰ اور عیسیٰ ہے تو اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے۔ کیا حضرت فرید الدین عطار کے "تذکرۃ الاولیاء" میں حضرت بایزید بطامی قدس سرہ کے یہ کلمات طیبہ آپ کو لکھے ہوئے نہیں ملتے۔ "میں ہی آدم ہوں میں ہی شیث ہوں میں ہی نوح ہوں میں ہی ابراہیم ہوں میں ہی موسیٰ ہوں، میں ہی عیسیٰ ہوں، میں ہی محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ اخوانہ اجمعین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اول میں تکمیل دین ہوئی۔ مگر تاریخ بتلاتی ہے کہ دین کی تبلیغ کا کسی جگہ کوئی مستقل اہتمام نہیں ہوا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ رسل و رسائل کے ذرائع کی کمیابی تھی۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کے زمانہ ماموریت میں ذرائع رسل و رسائل میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ نشر و اشاعت کے لئے طرح طرح کی سہولتیں میسر ہو گئیں۔ اور تبلیغ دین کے لئے ساری دنیا کے دروازے کھل گئے اور اشاعت و تبلیغ اکناف عالم میں بڑے وسیع پیمانے پر ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے حق کی آواز دور دور تک پہنچنی شروع ہو گئی۔ اس زمانہ میں اشاعت اسلام کے لئے تلوار کی حاجت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اسلام کو نابود کرنے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی گئی تھی بلکہ قلم اور زبان کے ہتھیار استعمال ہونے لگے تھے۔ ان کے مقابلے میں قلمی جہاد کا آغاز کیا گیا تھا اور دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت ثابت کی جانے لگی تھی۔ اور اسی سلسلہ میں حضرت مرزا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسلامی تعلیمات پر چل کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر کے یہ پھل پایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے شرف ہمکلامی عطا کیا ہے۔ کیا غیر مسلموں میں بھی کوئی شخص ہے جس نے اپنے مذہب پر چل کر خدا کو پا لیا ہو اور خدا اس کو اپنے پاک کلام سے سرفراز فرماتا ہو۔ اگر ہے تو اعلان کرے۔ مگر میں پورے یقین سے اعلان کرتا ہوں کہ غیر مسلموں میں کوئی ایک فرد بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ دراصل انوار نبوت محمدیہ کا ہی سب کرشمہ تھا۔ حضرت مرزا صاحب کی اپنی ذات درمیان میں نہ تھی۔

حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کے اردو ترجمہ اور تفسیر قرآن "بیان القرآن" کے بارے میں ایک قابل قدر تبصرہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی

("پیغام صلح" — ستمبر/ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں ہم نے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے قرآن مجید کے اردو ترجمہ کے متعلق صفدر حسن صدیقی صاحب، مصنف "قرآن اور انسان" کے بے لوگ تبصرہ کو نقل کیا تھا۔ جو انہوں نے کتاب کے دیباچہ میں درج کیا تھا یہ کتاب لاہور کے معروف کتب فروش فیروز سنز، لاہور نے شائع کیا ہے۔ تبصرہ کے الفاظ یہ تھے:

"قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ زیادہ تر مولانا محمد علی مرحوم کے ترجمہ قرآن سے حاصل کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کا بڑی حد تک لفظی ترجمہ ہے ترجمانی نہیں اور اس وجہ سے یہ مشیت ایزدی کو اردو زبان میں زیادہ بہتر طور پر بیان کرتا ہے" (ص ۲۹)۔

اس شمارے میں ہم پروفیسر ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی کی کتاب "اردو میں تفسیری ادب، ایک تاریخی اور تجزیاتی جائزہ" میں سے حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کے اردو ترجمہ اور تفسیر قرآن "بیان القرآن" کے متعلق تبصرہ کو من و عن نقل کر رہے ہیں۔ اس کو عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ایس ٹی ۵/۱۰ گلشن اقبال، کراچی نے شائع کی ہے۔ صفحات ۴۴۸ قیمت ۱۰۰ روپے سنہ اشاعت ۱۹۹۴ء — ایڈیٹر)

"یہ ترجمہ و تفسیر، مولانا اشرف علی تھانوی" کی مشہور تفسیر "بیان القرآن" سے مختلف ہے۔ اس کے لکھنے والے لاہوری احمدیہ جماعت کے سرخیل مولانا محمد علی لاہوری ہیں اور اس کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کی ہے۔ مولانا محمد علی نے ابتداً قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر انگریزی زبان میں کیا تھا لیکن پھر اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی غرض سے اس کو اردو میں منتقل کیا گیا۔ چونکہ اردو میں تفسیر کو زیادہ پھیلا کر بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کی ضخامت کافی بڑھ گئی ہے۔ پہلی مرتبہ سہولت کے خیال سے اس کو تین جلدوں میں چھاپا گیا تھا۔ یہ ایڈیشن ۱۹۲۲ء تک کے عرصہ میں شائع ہوا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اس کے تین ایڈیشن ایک ایک جلد میں شائع ہوئے ہیں۔ یعنی ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۲ء اور ۱۹۸۰ء میں اس کو نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ مترجم و مفسر خود تمہید میں فرماتے ہیں:

> "وہ مقدس پیغام (قرآن کریم) ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوا جنہوں نے دنیا میں اس کے حامل بننا تھا۔ مگر آج اس عالم کے مختلف اطراف و اکناف میں رہنے والے مسلمان اس زبان سے نا آشنا ہیں اور بہت ہیں کہ اس پیغام کو پڑھتے ہیں مگر انہیں علم نہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس پیغام کی غرض یہ تھی کہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور غلط راہوں کو چھوڑ کر اپنی دینی اور دنیوی فلاح کا صحیح راستہ اختیار کریں تو اس کا مطلب سمجھے بغیر وہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں نے جب تبلیغ اسلام کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے انگریزی میں اس پاک کلام کے ترجمہ

اور مطلب کو بیان کیا تو بہت سے احباب نے یہ اصرار کیا کہ اردو زبان میں بھی اپنے اہل ملک کے فائدہ کے لئے اسے شائع کیا جائے۔ مگر یہاں کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے از سرنو یہ کام کرنا پڑا۔ میری غرض صرف یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان قرآن کریم کو پڑھے اور اس کے مطلب پر آگاہ ہو کر اپنی روزمرہ زندگی میں اور مشکلات پیش آمدہ میں اپنا ہادی اور رہنما بنائے۔ اس راہ کو اختیار کئے بغیر مسلمان کبھی موجودہ مشکلات سے باہر نہیں نکل سکتے۔"

آگے چل کر مترجم و مفسر جناب محمد علی فرماتے ہیں:

"اس ترجمہ اور ان حواشی میں ایک بات کی طرف بالخصوص توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم سے اجنبیت نے جن دلوں میں یہ خیال پیدا کیا ہے کہ اس پاک کتاب کے مضامین میں کوئی ترتیب نہیں انہوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ موجودہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہے اور یہ ایک ابلغ اور محکم ترتیب ہے۔ مخالفین میں غور و خوض کی کمی نے بے ترتیبی کا خیال پیدا کیا یہاں تک کہ اس زمانہ میں ایک مسلمان نے بھی ان خیالات سے متاثر ہو کر ایک ترتیب نزول اپنے پاس سے بنا کر قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے......"

غرض مترجم و مفسر نے سطور بالا میں جو خیالات پیش کئے ہیں وہ مسلمانوں کے سواد اعظم سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو اس میں مرزا بشیر الدین محمود کی "تفسیر صغیر" سے نمایاں فرق نظر آئے گا۔ اس فرق کو جاننے کے لئے مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ اور تفسیر ملاحظہ کیجئے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا۝ (۲۲:۳۳:۴۰)

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تفسیر: خاتم النبین کی تفسیر احادیث نبوی سے: خاتم النبین کے معنی لغت سے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ایک قوم ہیں اور کسی قوم کا خاتم یا خاتم ہونا صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ یعنی ان میں سے آخری ہونا۔ پس نبیوں کے خاتم کے معنی نبیوں کی مہر نہیں بلکہ آخری نبی ہیں۔ یہاں ان سب احادیث کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں جن میں خاتم النبیین کی تشریح کی گئی ہے یا جن میں آنحضرت صلعم کے بعد نبی کا نہ آنا بیان کیا گیا ہے اور یہ احادیث متواترہ ہیں جو صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی نہیں۔"

("اردو میں تفسیری ادب" ص ص ۴۱۶-۴۱۸)

مختصر تعارف

یہ کتاب درحقیقت ڈاکٹر نسیم عثمانی صاحب کے اس تحقیقی مقالہ پر مشتمل ہے جس پر انہیں جامعہ کراچی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی۔ اس کا پیش لفظ پروفیسر ایمریطس ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی صاحب نے لکھا ہے اور ابو سلمان شاہجہان پوری نے "حرفے چند" کے عنوان کے تحت اس مقالہ کی ادبی اور تحقیقی خوبیوں کو مختصر انداز میں سراہا ہے اور اپنی ان چند تجاویز کا بھی ذکر کیا ہے جو وہ چاہتے تھے کہ مقالہ نگار اس کی روشنی میں اپنے مقالہ میں اصلاح فرمائیں اور مقالہ کو زیادہ

جاندار اور مستند بنا سکیں۔ ذیل میں "حرفِ چند" قارئین کے استفادہ کے لئے درج کیا جا رہا ہے — ایڈیٹر)

حرفِ چند

"اردو میں تفسیری ادب" ڈاکٹر نسیم عثمانی صاحب کا تحقیقی مقالہ ہے۔ جس پر انہیں جامعہ کراچی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی ہے۔ یہ مقالہ نہایت محنت اور قابلیت سے لکھا گیا ہے۔ اس کی کئی خوبیاں ہیں جن پر نظر رہنی چاہئے۔

۱۔ یہ ایک جامع مقالہ ہے اور موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔

۲۔ یہ مقالہ وقت کے اعلیٰ تحقیقی معیار پر پورا اترتا ہے۔

۳۔ مقالے کے تمام مطالب و مباحث کی تالیف و تدوین سائنٹیفک انداز میں کی گئی ہے۔

۴۔ کسی بحث کو مقالے میں جس حد تک مختصر یا طویل ہونا چاہئے تھا اس کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ گویا کہ یہ مقالہ تالیف مطالب اور مباحث میں حسن توازن کی بہترین مثال ہے۔

۵۔ اس مقالے کی ایک بڑی خوبی مختلف تراجم' حواشی اور تفاسیر کے بارے میں حسن اعتدال ہے۔

۶۔ تفاسیر کے جائزے سے قبل تراجم قرآن مجید اور ایسے مختصر حواشی پر جن کی تفصیل تفسیر کے درجے کو نہیں پہنچتی نہایت عمدگی کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے اور نقد و جرح کی نظر ڈالی گئی ہے۔

۷۔ اس کے باوجود کہ فاضل محقق دیو بندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے دوسرے مکاتب فکر مثلاً بریلوی' اہل حدیث اور دیگر مذاہب و فرق مثلاً شیعہ' قادیانی' جماعت اسلامی وغیرہ کے تراجم و تفاسیر پر بھی خالص علمی' غیر فرقہ وارانہ انداز میں بحث کی ہے اور ان خصائص کے بیان میں کسی تعصب سے کام نہیں لیا۔

۸۔ مقالہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس کا علمی و تحقیقی معیار' جامعیت و حسن تالیف و تدوین پی ایچ ڈی کے عام مقالوں سے بہت مختلف اور نہایت بلند ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مقالہ کسی ریسرچ اسکالر نے محض ڈگری کے حصول کے لئے نہیں لکھا بلکہ موضوع کی علمی اہمیت کے پیش نظر خاص علمی ذوق سے تحقیق کے جدید اصولوں کے مطابق کسی اکادمی' دارالمصنفین یا ندوۃ المصنفین کی عظیم الشان لائبریری میں برسہا برس کی محنت شاقہ نہایت جاں سوزی اور بہت جگر کاوی سے لکھا گیا ہے۔

۹۔ یہ مقالہ اردو کے دینی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

۱۰۔ اس مقالے میں ان بہت سی خوبیوں کے جمع ہو جانے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس مقالے کی تحقیق اور تالیف و تدوین میں وقت کے مایہ ناز عظیم محقق اور استاذ الاساتذہ حضرت مخدومی ڈاکٹر ابواللیث صدیقی مدظلہ کی رہنمائی حاصل رہی تھی۔ حضرت مخدومی کے ذوق علم و تحقیق اور خصوصی توجہ نے اسے تحقیق کا شاہکار بنانے میں بہت مدد دی۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس موضوع کے انتخاب میں حضرت مخدومی ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے مشورے کو دخل تھا۔

۱۱۔ اس تحقیق پر میں ڈاکٹر نسیم عثمانی صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

۱۲۔ میں یہ مشورہ دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ

الف :۔ اشاعت سے قبل اس پر نظر ثانی کر لی جائے تاکہ ٹائپ کی غلطیاں اور سہو قلم درست ہو جائیں۔

ب :۔ نیز یہ کہ مودودی صاحب کے "تفہیم القرآن" کے بارے میں ماہنامہ بینات کراچی' ماہنامہ البلاغ کراچی' ماہنامہ الحق اکوڑہ

خٹک' ماہنامہ طلوع اسلام لاہور میں شائع ہونے والے مقالات اور دیو بند سے شائع ہونے والی کتاب "تفہیم القرآن" کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از مولانا خلیل الرحمٰن پرتاب گڑھی پرایک نظرڈالی جائے تو مجھے امید ہے کہ ان میں بعض مفید اور نئے نکتے ضرور ملیں گے۔ "تفہیم القرآن" میں بعض فاش اغلاط اور تاویلات باطلہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وزارت اوقاف مملکت سعودی عربیہ نے اسے چھپانا شروع کیا تھا لیکن جب اس کے اغلاط علم میں لائے گئے تو اسکی اشاعت موقوف کر دی گئی اور ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن مع تفسیر عثمانی شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو اب تک کئی لاکھ کی تعداد میں شائع کیا جا چکا ہے۔

ج :۔ اسی طرح مولوی محمد علی لاہوری (قادیانی) کے ترجمے کے بارے میں بحث پر نظر ثانی ضرور کرلی جائے۔

یہ رائے میں نے ڈاکٹر عثمانی صاحب کی زندگی میں لکھی تھی اور انہیں دکھادی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس رائے میں میں بعض مباحث کے بارے میں چند اشارات کا اضافہ کروں گا۔ مرحوم سے میری آخری ملاقات ان کے انتقال سے تقریباً ایک ہفتہ یا دس دن قبل ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اور یہ مقالہ مرحوم کی یادگار کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ بحث و نظر کا کوئی دروازہ کھولا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی اس خدمت علمی و دینی کو قبول فرمائے' ان کے مراتب کو بلند فرمائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

ابوسلمان شاہجہان پوری